مکتوباتِ جوشؔ ملسیانی بنام رضاؔ

کالیداس گپتا رضاؔ

مکتوباتِ جوشؔ ملسیانی

بنام رضاؔ

مکتوباتِ جوش ملسیانی

بنام رضا

کالیداس گپتا رضا

وِمل پبلیکیشنز بمبئی

باراوّل

ناشر:- وِمَل پبلیکیشنز

۱۰۷- جولی بھون ۱/

۱۰- نیو مرین لائن، چرچ گیٹ

بمبئی ۴۰۰۰۲۰

تاریخ اشاعت اگست ۱۹۷۶ء

قیمت:- [redacted] روپے [redacted]

پرنٹر: ڈی۔ رائے نے

وِمَل پبلیکیشنز بمبئی کے لئے

یونیورسل فائن لیتھو پریس

۲۳- نوروجی اسٹریٹ، بمبئی ۲

میں چھپوا کر وہیں سے شائع کیا۔

ترتیب

تعارف

مشرقی افریقہ میں بیٹھ کر ادر مکند پور ضلع جالندھر پنجاب کے گپتا خاندان سے (جہاں شب و روز مال و زر ترازوؤں میں تُلتا تھا) متعلق ہو کر اُردو شعر و ادب پر دسترس رکھنا کچھ عجیب سی بات ہے لیکن یہ دنیا نادرہ کار ہے یہاں کیا نہیں ہوتا۔

برادرم کالی داس گپتا رضاؔ میرے والد محترم حضرت جوشؔ ملسیانی مرحوم کے کہنہ مشق اور سعادت مند شاگردوں میں ہیں۔ انھوں نے بیس بائیس برس ہندوستان سے باہر مشرقی افریقہ میں رہ کر بھی اپنی فکرِ رسا، فنّی مہارت، باریک بینی اور کثرتِ مطالعہ سے نہ صرف یہ کہ شعر گوئی میں شہرت پائی بلکہ ایک بیدار مغز ادیب کی حیثیت سے بھی اپنا لوہا منوایا۔ تحقیق میں موصوف نے ایسے کارنامے انجام دیئے ہیں جو اردو ادب کی تاریخ سے دلچسپی رکھنے والوں پر بہت سے انکشافات کا باعث بنے ہیں۔ آج تک اُن کے پانچ مجموعہ ہائے کلام (چار اُردو اور ایک انگریزی) چھپ کر منظرِ عام پر آ چکے ہیں جن کی بنا پر سرکاری اور غیر سرکاری

اداروں نے انھیں متعدد بار انعام سے نوازا ہے۔ تحقیقی مقالے بھی مقتدر رسالوں میں شائع ہوتے رہتے ہیں جو مشاہیر سے خراجِ تحسین وصول کئے بغیر نہیں رہتے۔

جیسا کہ بتایا جا چکا ہے رضاؔ صاحب ایک لمبا عرصہ ہندوستان سے باہر رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ انھوں نے جو کچھ بھی استاد سے حاصل کیا وہ بیشتر خط و کتابت کے ذریعے ہی کیا۔ ایک اندازے کے مطابق والد محترم نے انھیں سَو کے قریب خط لکھے۔ جن کا تقریباً آدھا حصّہ نقلِ مکانی (۱۹۷۰ء) کے وقت کھو گیا۔ تاہم جو کچھ (کل ۵۴ خط) بچ رہا وہ اس کتاب "مکتوباتِ جوشؔ ملسیانی بنام رضاؔ" میں شامل ہے۔ پہلا خط ۲۱ اکتوبر ۱۹۴۸ء کا ہے۔ اور آخری خط ۲ دسمبر ۱۹۷۴ء کا۔ گویا یہ مجموعۂ مکاتیب والد مرحوم کے آخری پچیس سال کی اجمالی تاریخ ہے۔

رضاؔ صاحب کا ایک مضمون بعنوان "استاذی قبلہ جوشؔ ملسیانی مرحوم چند یادیں" (جو اس کتاب میں شامل ہے) حقیقت کا حامل اور رضاؔ صاحب کی استاد سے والہانہ عقیدت کا آئینہ دار ہے۔ جا بجا خطوں کے حاشیوں میں دیئے ہوئے نوٹ بھی خاصے کی چیزیں ہیں جو فیضِ استاد اور واقعات کو سمجھنے سمجھانے میں بہت مدد دیتے ہیں۔

خدا برادرم رضاؔ کو تندرست اور شعر و ادب کی خدمت پر اسی طرح مامور رکھے۔

عرشؔ ملسیانی

۲۵ مارچ ۱۹۷۶ء

ماڈل ٹاؤن ۔ دہلی ۔ ۹

کالیداس گپتا رضا

استاذی قبلہ جوش ملسیانی مرحوم

(چند یادیں)

واقعہ بہت پرانا ہے۔ تقریباً چالیس سال گزر چکے ہوں گے مجھے یاد ہے شام کے چھ بجے کے قریب جھگڑے پر پنڈت جمنا داس کی لاش مکند پور[1] لائی گئی تھی۔ ایک کہرام مچ گیا تھا۔ منڈھالی[2] کے میلے میں معمولی سی بات پر ایک دیہاتی نے اُبلتے تیل کی کڑاہی اُن پر اُلٹ دی۔ جمنا داس بُری طرح جُھلس گئے، اور جانبر نہ ہو سکے۔ پنڈت پشاوری رام واسدیو کے ہاں بہت سے رشتہ دار تعزیت کے لئے آئے۔ میں شاید دس سال کا ہوں گا۔ ایک شام دیکھا کہ پشاوری رام کے چھوٹے سے برآمدے میں کوئی بزرگ لیٹے ہوئے لالٹین کی روشنی میں بڑی رات گئے تک کچھ پڑھتے لکھتے رہے۔ انھیں بزرگ کو دوسرے روز چلتے پھرتے بھی دیکھا مختصر مگر چاق و چوبند، قد بمشکل پانچ سوا پانچ فٹ، بھری بھری کترواں داڑھی، خال خال سفید بال، رنگ گندمی، سر پر سفید پگڑی، دھوتی باندھے، بند گلے کا کوٹ پہنے، معمولی پڑھے لکھے، دیہاتی معلوم ہوتے تھے۔ برسوں بعد کھُلا کہ یہی ابوالفصاحت حضرت جوش ملسیانی ہیں اور پنڈت جمنا داس مرحوم آپ کے برادر نسبتی تھے۔ گویا مکند پور میں

[1] پنجاب کے ضلع جالندھر میں میرا آبائی گاؤں۔
[2] مکند پور سے سات کوس دور ایک گاؤں ہے جہاں ایک فقیر کے مزار پر ہر سال ایک زبردست اجتماع ہوتا تھا۔ شاید اب بھی ہوتا ہو۔

استاذی قبلہ کے سسرال تھے اور برادرِ معظم عرشؔ ملسیانی کے ننھال۔

میں نے پندرہ سال کی عمر میں کنور رجنیت رام علیشؔ[1] مرحوم کی سفارش پر استاذی قبلہ کے ایک نہایت اچھے اور پرانے شاگرد لالہ جگن ناتھ کمالؔ کرتاپوری کی شاگردی اختیار کی اور کامل چھ سال ان سے شاعری کے رموز اور فنی نکات حاصل کئے۔ کمالؔ صاحب جو اپنی ذات میں ایک کامل استاد، ماہرِ فن اور بے بدل شاعر و ادیب تھے، دل کے بھی نہایت فراخ تھے۔ اپنے شاگردوں کو بہت چاہتے تھے اور اُن کی فلاح و بہبود کا خیال رکھتے تھے۔ چنانچہ انھیں کی سفارش پر ۱۹۴۶ء میں میں استاذی قبلہ کی شاگردی میں آیا۔ تاہم محترمی کمالؔ صاحب سے بھی اُن کے انتقالِ پُر ملال تک میرے وہی پہلے کے سے مراسم قائم رہے۔ افسوس کمالؔ ایسا صاحبِ کمال گمنامی ہی میں بسر کر کے راہیِ ملکِ عدم ہوا۔ جبکہ آج اکثر معمولی شاعر بھی محض پراپیگنڈے اور گٹ بندی کی بدولت آسمانِ سخن کے ستارے بنے ہوئے ہیں۔

اب تک میں نے استاذی قبلہ کو دیکھا نہیں تھا۔ اصلاح خط و کتابت کے ذریعہ لیتا تھا۔ اچانک آپ کے نیاز حاصل کرنے کی ایک صورت نکل آئی۔ میرے گاؤں ہی کے ایک صحافی پنڈت مست رام تقسیم ملک کے بعد لاہور سے آکر جالندھر کے ایک روزانہ اخبار (شاید پربھات) میں کام کرنے لگے اور وہیں سے ۱۹۴۸ء میں انھوں نے ایک رسالہ داستان کے نام سے جاری کیا جس کے حصّۂ نظم کی دیکھ ریکھ میرے ذمّہ تھی۔ انھوں نے ایک روز مجھ سے کہا کہ جیسے بھی ہو پہلے شمارے میں قبلہ جوشؔ ملسیانی صاحب

---

[1] مڈل اسکول میں میرے کلاس ٹیچر تھے۔ بعد میں ان سے دوستانہ ہو گیا جو ان کے انتقال تک قائم رہا۔ نہایت شریف اور دوست نواز آدمی تھے۔ پنجابی کے مشہور شاعر تھے۔ اُردو میں بہت کم کہتے تھے مگر جوشؔ صاحب کی شاگردی کا دم بھرتے تھے۔ کمالؔ صاحب کے خاص دوستوں میں سے تھے۔

کا کلام شائع ہونا چاہیئے۔ چنانچہ اس بہانے میں ایک روز جالندھر سے پندرہ میل دور استاذی قبلہ کی جائے سکونت نکودر پہنچا۔ استاذی قبلہ بیٹھک میں چارپائی پر دراز حقّہ پی رہے تھے۔ آپ کو دیکھتے ہی میری آنکھوں کے سامنے وہی پیکر اُبھر آیا جو برسوں پہلے میں نے اپنے گاؤں میں دیکھا تھا۔ میں آداب بجا لایا اور تعارف کرایا۔ آپ نے جس شفقتِ بزرگانہ سے میرا استقبال کیا اُسے میں زندگی بھر نہیں بھول سکتا۔ برادرم عرشؔ کی والدہ محترمہ نے گویا مجھے اپنا بھتیجہ ہی سمجھا اور میری آمد پر خوشی سے پھولے نہ سمائیں۔ ایسی صورت میں ایک غزل تو کیا اگر استاذی قبلہ کی بیاضیں بھی مانگ لے جاتا تو آپ انکار نہ کرتے۔ قصّہ کوتاہ کھانا کھایا اور چند غزلیں رسالے کے لئے نقل کر لیں۔ پھر کچھ اپنا کلام اصلاح کے لئے پیش کیا۔ آپ نے کرم فرمایا کہ وہیں اصلاح فرما دی۔ آپ کی شطرنج کی مہارت کے قصّے مشہور تھے۔ ہمارا خاندان بھی اِس میدان میں کم نامور نہ تھا۔ میں اپنے لوگوں میں اچھّا کھیلنے والوں میں گنا جاتا تھا۱۔ آپ سے تین چار بازیاں کھیلا۔ استاذنا قبلہ بہت خوش ہوئے۔ میری کم عمری کو دیکھ کر بہت کچھ داد دی۔ اُس زمانے میں مجھے پامسٹری کا بھی شوق تھا۔ میں نے آپ کا ہاتھ دیکھنا چاہا تو فرمایا۔ "ایک جوتشی نے ۹۲ سال عمر بتائی ہے، تمہارے خیال میں کہاں تک سچ ہو سکتا ہے۔" مجھے کچھ خاص سوجھ بوجھ تو تھی نہیں میں نے فوراً وہی جواب دیا جو مجھے دینا چاہیئے تھا "آپ کے ہاتھ کی لکیروں میں ۱۰۰ سال

۱؎ افریقہ جا کر میں نے اس کھیل کو قطعی خیر باد کہہ دیا۔ یہ شغل جتنا انہماک چاہتا ہے اس کے پیشِ نظر اس کا ترک کئے بغیر چارہ نہ تھا۔ اتنا وقت کہاں سے لاتا۔

کی عمر تو صاف دکھائی دے رہی ہے۔" یہ سُن کر مسکرائے اور کمال معصومیت سے جسے بھلانا محال ہے میرا کہا قبول کر لیا حالانکہ جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں قبلہ کا انتقال ۹۲ - ۹۳ سال کی عمر میں ہوا یعنی آپ کے جوتشی کا نجوم درست نکلا اور میرا کہنا غلط ثابت ہوا۔ البتہ ایک بات جو آج تک میرے دل پر نقش ہے وہ یہ ہے کہ آپ کی دماغ کی لکیر حیرت انگیز حد تک لمبی اور نمایاں تھی اور چونکہ آپ کی ذہانت مشہور تھی اور حافظہ بلا کا تیز تھا اس سے مجھے پامسٹری کو پرکھنے کا حقیقی موقع ملا جو آئندہ کے لئے میرے لئے رہنما ثابت ہوا۔

یاد آتا ہے کہ میں نے جو کلام آپ کی خدمت میں اصلاح کے لئے پیش کیا تھا اُس میں اُس غزل کے بھی چند اشعار تھے۔ جس کا مطلع ہے ؎

خوشی کی جستجو میں میں بساؤں کیوں نئی دنیا
تجلّی زار کر دی تیرے جلووں نے مری دنیا

اسی کا ایک شعر یہ تھا ؎

تری محفل میں جو آیا نہایت شوق سے آیا
مگر آکر کوئی خوش خوش نہ لوٹا واہ ری دنیا

آپ نے مصرعۂ ثانی میں لوٹا کی جگہ پلٹا بنا دیا اور لکھ دیا۔ " لوٹنا غزل کی زبان نہیں عامیانہ ہے فصحا پلٹنا کہتے ہیں۔" استاذی قبلہ نے اپنی جائے ولادت قصبہ ملسیان کو چار ہزار کی آبادی کے باوجود محض اس لئے "خراب آباد" کہا ہے کہ وہ ایک ایسے ویران علاقے میں بسا ہوا ہے جہاں کوئی کلچرل زندگی نہیں۔ میں نے پہلی ہی مرتبہ نکودر دیکھا تھا مگر اس مقام کو بھی "خراب آبادِ ملسیان" سے کچھ زیادہ فکر پرور نہ پایا۔ گرد و غبار

ریتلی زمین، شہری زندگی کا فقدان، ہر طرف دیہات کی ٹھیٹھ پنجابی بولی، غرضیکہ ایک چیز بھی تو ایسی نہ تھی جو فکرِ سخن کے لئے تازیانے کا کام دے سکتی۔ دلّی اور لکھنؤ کی ٹکسالی زبان کا مزاج داں اور استاد ہونا تو ایک طرف یہاں کا تعلیم یافتہ طبقہ صحیح ہجّے اور تلفّظ کے ساتھ اُردو لکھ بول بھی نہیں سکتا تھا۔ القصّہ نکودر سے جالندھر تک کا سفر اسی حیرت میں گزرا کہ استاذی قبلہ نے اس علاقے میں رہ کر زبان و فن پر ایسا عبور کیونکر حاصل کیا۔

اِس کے چند ماہ بعد ہی میں مشرقی افریقہ چلا گیا۔ "داستان" بند ہو گیا اور میں بھی نئے ملک، نئے ماحول کی سختیوں میں لب بستہ ہو کے رہ گیا۔ کچھ عرصہ خط و کتابت بھی نہ ہو سکی پھر جو رُکی ہوئی طبیعت چلی ہے تو بس چل نکلی اور میں نے ۱۹۶۲ء تک آپ کے فرمودات سے بھرپور استفادہ کیا بعدازاں آپ نے فرمایا کہ اب بیشتر اپنی ہی طبعِ سلیم کو رہنما بناؤ البتّہ شکوک رفع کروانے میں مضائقہ نہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس کا ایک سبب تربیت اور استاذی قبلہ کی ضعیف العمری کے علاوہ فاصلہ بھی تھا۔

پندرہ سال بعد ۱۹۶۳ء میں چند مہینوں کے لئے میں ہندوستان پلٹا۔ اس اثنا میں استاذی قبلہ کی خاطر خواہ عزّت افزائی ہوئی۔ حکومتِ پنجاب اور حکومتِ ہند دونوں نے آپ کو نوازا۔ ایک عظیم الشان اجتماع میں آپ کے مدّاحوں، معترفوں اور عقیدت مندوں نے پنڈت گوبند ولبھ پنت کے ہاتھوں آپ کی خدمت میں ایک ضخیم "ابھینندن گرنتھ" پیش کیا جس میں استاذی قبلہ کے بیشتر شاگردوں اور شاگردوں کے شاگردوں کا ذکر آ گیا ہے مگر اس میں میرا ذکر شاگردوں کے شاگردوں میں ہے اور اس کا عنوان "کالیداس گپتا رضا نیسمی" دیا ہے۔ مجھے یہ کتاب نہیں بھیجی گئی تھی۔ اپریل ۱۹۶۳ء میں جب

میں نے یہ کتاب دلّی سے خریدی تو حال کھُلا۔ میں دلّی سے سیدھا نکودر پہنچا۔ بیوی اور دونوں بچّے میرے ساتھ تھے۔ عیش صاحب نے جن کا ذکر میں کر چکا ہوں۔ مجھے اپنے ہاں روک لیا۔ ان کا گھر استاذی قبلہ کے دولت کدے کے سامنے ہی ہے۔ استاذی قبلہ اسی شفقت سے پیش آئے جو اُن کا طرّۂ امتیاز تھا۔ باتوں باتوں میں میں نے ابھینندن گرنتھ اور اس میں لکھے اپنے نام کا ذکر چھیڑ دیا۔ ساتھ ہی کچھ غیر مطبوعہ اشعار کی فرمائش بھی کر دی۔ انھوں نے جواب دیا "ابھینندن گرنتھ کی تیاری نسیم نور محلی کے ذمّہ تھی انھوں نے جیسا چاہا لکھ دیا" اور پھر فوراً بزم ادب پنجاب جالندھر کے، جس کے استاذی قبلہ اور حضرت ناطق گلاؤٹھی مرحوم سرپرست تھے، آفیشل لیٹر ہیڈ پر چند غیر مطبوعہ اشعار (جو خوش قسمتی سے آج بھی غیر مطبوعہ ہیں) لکھ دیے اور ساتھ ہی مندرجہ ذیل نوٹ تحریر فرمایا۔ یہ پورا نوٹ مکتوبات میں شامل ہے۔

"عزیزی کالی داس رضا میرے پرانے اور سعادت مند شاگرد ہیں۔
یہ چار اشعار انھیں کے اصرار پر لکھے ہیں۔"[۱]

بچّوں کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ سب کے نام پوچھے جو آپ کو اخیر عمر تک یاد رہے۔ یہ بات ۱۶ر اپریل ۱۹۶۳ء دوپہر کی ہے۔ تھوڑی دیر بعد عیش مرحوم اور آپ کے ایک مقامی شاگرد بلونت کمار تشاگر تشریف لے آئے۔

---

[۱] یہ استاذی قبلہ کے قدیم اور چند بہترین شاگردوں میں تھے۔ مجھے اُن سے ملنے کا موقع نہ مل سکا۔ ۱۹۶۳ء میں جب میں ہندوستان آیا تو ان کا انتقال ہو چکا تھا۔ غالباً ۱۹۵۱ء یا ۱۹۵۵ء میں مَیں نے استاذی قبلہ کی اجازت سے چندے اُن سے مشورۂ سخن کیا تھا۔ جس کا حال خطوں میں اپنی جگہ پر آئے گا۔

اچھا خاصہ مشاعرہ جم گیا۔ اُسی شب آپ نے پھر میری آمد پر ایک چھوٹی سی محفل برپا کرلی جس میں میں نے وہ غزل پیش کی جس کا مطلع ہے سہ

غمِ دل سنانے میں جاؤں کیوں سرِ عاشقی کی جناب میں
یہ تو لفظ لفظ سے ہے عیاں مری زندگی کی کتاب میں

سُن کر فرمایا "غزل مرصّع ہے۔ غیر ملک میں رہ کر بھی خوب ترقی کی ہے۔" میں آپ سے کلام کی فرمائش کرنے ہی والا تھا کہ علیش صاحب نے میرے کان میں کہا کہ پہلے دوسرے شعراء کو سُن لیجئے۔ اگر قبلہ کے کلام سُنا چکنے کے بعد آپ میں سے کسی نے اشعار سنانے چاہے تو قبلہ اُسے آداب محفل کے خلاف سمجھیں گے۔ چنانچہ میں وہیں رُک گیا۔ بعد میں جب شعراء اپنا کلام سنا چکے تو آپ سے کلام کی فرمائش کی گئی۔ آپ حقّہ پیتے جاتے تھے اور یادداشت سے کلام سناتے جاتے تھے۔ دورانِ گفتگو میں آپ نے ماضی کے بھی ایسے ایسے دریچے کھولے کہ ٹھنڈی ہوا کے جھونکے آج بھی دل و دماغ کو تازہ کر رہے ہیں۔ کاش ٹیپ ریکارڈر ہوتا اور یہ داستانیں جو آپ کے ساتھ ہی مٹ گئیں زندۂ جاوید کرلی جاتیں۔ ایک اور واقعہ بھی شنیدنی ہے۔ جب آپ کلام سنانے لگے تو میں نے عرض کیا کہ جناب کوئی مطبوعہ کلام نہ سنائیں۔ یعنی ایسے اشعار ارشاد فرمائیں جو بادۂ سرجوش[1] اور جنون و ہوش[2] میں شامل نہ ہوں۔ انھوں نے اثبات میں سر ہلایا اور کچھ سوچ کر سُنانا شروع کیا۔ مگر میں نے مداخلت کی اور عرض کیا کہ یہ اشعار مجھے یاد ہیں آپ نے فلاں خط میں تحریر فرمائے تھے۔ آپ نے رُک کر دوسری غزل شروع کی وہ بھی آپ اپنے خطوط میں مجھے بھیج چکے تھے۔ میں نے پھر عرض کیا۔ آپ نے ایک اور غزل فرمائی وہ بھی مجھے مل چکی تھی۔ یہاں

---

[1]، [2] استاذی قبلہ کے پہلے دو شعری مجموعے۔

تک کہ اس کے چند اشعار بھی میں نے یادداشت سے عرض کر دیئے آپ خود تعجب کرتے تھے کہ اتنا سارا کلام آپ اپنے قلم سے لکھ کر مجھے ارسال کر چکے ہیں۔ ہنس کے فرمایا۔" ہزاروں کوس دور رہتے ہو مگر دل سے تو دور نہیں ہو۔" غرضیکہ محفل بہت کامیاب رہی اور مجھے پہلی بار جی بھر کے استاذی قبلہ کی زبان سے ان کا کلام سننے کا موقع ملا۔

ان کا معمول تھا کہ چار بجے بعد دوپہر کوٹ پائجامہ زیب تن کر کے اور سر پر پگڑی باندھ کر بازار جایا کرتے تھے۔ بعد دوپہر میں عَلیش صاحب کی بیٹھک میں خوش گپیاں کر رہا تھا کہ دفعتاً چلمن اٹھی اور استاذی قبلہ اندر تشریف لائے۔ آتے ہی فرمایا کہ میں تو آگے نکل چکا تھا اچانک رعنا کا خیال آیا بازار نہ گیا یہاں چلا آیا۔ میں نے شکریہ ادا کیا۔ عَلیش صاحب نے جلدی جلدی حقّہ تازہ کرایا۔ نہ جانے کہاں سے دوسرے دو ایک شعراء بھی آ گئے۔ غرضیکہ ایسی بے تکلف اور بے ساختہ بزم سخن آراستہ ہوئی کہ جو اس میں شامل تھا وہی اس کا لطف جانتا ہے۔ افسوس آج میری پچاس سال کی عمر میں استاذی محترم، عَلیش صاحب، ساگر صاحب سب بزمِ سخن سے تو کیا بزمِ عالم ہی سے رخصت ہو چکے ہیں۔

تقریباً ربع صدی مشرقی افریقہ میں گزار کر ۱۹۷۰ء میں پھر وطن کی یاد آئی اور اُس کے وسیع میدان اور فلک نما کہسار دامن کشاں ہوئے۔ یہاں آ کر بیوی بچوں کو جن کی پیدائش افریقہ کی ہے یہ دھرتی ایسی پسند آئی کہ یہیں رہنے کی خواہش ظاہر کی میں بھی ایک عرصہ سے بیرونِ وطن رہ رہا تھا لہٰذا اب کی جو آیا تو خاکِ وطن کی سوندھی خوشبو مشامِ جان میں سما کے رہ گئی نتیجتہً اب ہم یہیں بمبئی میں رہ رہے ہیں۔ مگر نقلِ ملک کے بعد تجارت کو

دوبارہ قائم کرنے میں اتنا وقت صرف ہو گیا کہ کئی سال تک پنجاب کا رُخ نہ کر سکا۔ آخر دسمبر ۱۹۷۴ء میں شمالی ہند کی سیاحت کو نکلا اور ۲۷ دسمبر ۱۹۷۴ء کو استاذی قبلہ کی زیارت نصیب ہوئی۔ آپ بدستور بیٹھک میں چارپائی پر جلوہ افروز تھے۔ حقّے کی نے لبوں سے پیوست تھی۔ میں آداب بجا لایا۔ بیوی بچوّں نے پرنام کیا۔ میں نے نام بتایا تو پہچانا۔ کہا یہاں آنے میں دیر کر دی۔ ہندوستان میں رہ کر گویا افریقہ سے بھی دور رہنے لگے ہو۔ سادتری[1] کا نام لے کر حال پوچھا۔ پھر بچوں کی طرف دیکھ کر دریافت کیا "کیا یہ کمل[2] اور رینا[3] ہیں بہت بڑے ہو گئے ہیں۔" اور دعائیں دیں۔ میں نے عرض کیا میں یہاں چند گھنٹے سے زیادہ نہ ٹھہر سکوں گا۔ مجھے آج ہی مکند پور پہنچنا ہے۔

انھیں ایام میں دلّی کے ایک اُردو لکچرار نے ایک مقامی ماہ نامے میں میرے تیسرے مجموعۂ کلام "شاخِ گُل" پر تبصرہ کیا اور عروض سے عدم واقفیت کی بنا پر میری غزل کے درست اوزان کو غلط ٹھہرا دیا اور جب میں نے اس کا مدلّل جواب دیا تو ماہنامے نے جیسا کہ عام طور پر ہوتا ہے معترض سے تعلقات کی بنا پر اسے نہ چھاپا اس طرح لیکچرار صاحب کا بھرم قائم رہ گیا۔ اب جبکہ اتنا بڑا عروضی اور استاد مجھ سے سرگرم گفتگو تھا تو کوئی وجہ نہ تھی کہ میں آپ سے مزید سند کے لیے یہ سوال نہ اُٹھاتا۔ استاذی قبلہ نے سنتے ہی فرمایا۔ "ایک طرف تو کہہ رہے ہو کہ وقت کم ہے دوسری طرف تمام وقت مفعولن فاعلن ہی پر صرف کر دینا چاہتے ہو۔ تم یہ سب کچھ بخوبی جانتے ہو۔ تضیعِ اوقات سے کیا فائدہ، وقت پڑنے پر خود ہی نمٹ لینا۔" پھر فرمایا کچھ تازہ کہا۔ میں نے جان بوجھ کر ذیل کے چند اشعار پیش کیے۔ مقصد یہ دیکھنا تھا کہ آیا اب آپ

---

[1] میری بیوی [2] لڑکا [3] لڑکی۔

کسی قدر روایت سے ہٹے ہوئے اشعار کو بھی قبول فرمانے لگے ہیں کہ نہیں۔ میں نے مطلع عرض کیا ؎

میں اُن کی نگہ میں خستہ تن تھا
یہ حسنِ نظر تھا حسنِ ظن تھا

فرمایا شعر تو ٹھیک ہے مگر حسنِ نظر کا جواز موجود نہیں خستہ تن کی جگہ اک حسن کیوں نہیں کہتے میرے کلام پر گویا یہ اُن کی آخری اصلاح تھی کچھ اور شعر اسی غزل کے سنائے۔ بدلا ہوا رنگ دیکھ کر زیر لب مسکراتے رہے یا صرف ہو نہہ کہہ دیتے رہے۔ میں نے جب یہ شعر پڑھا ؎

کیا روح دمک دمک اُٹھی تھی
کندن سا خیال کا بدن تھا

تو آپ سے نہ رہا گیا۔ ہنس کے فرمایا۔" تمہارے پڑوس میں کوئی جدید یہ تو نہیں رہتا۔" اتنے میں برادرم عرشؔ صاحب کی ہمشیرہ ہمارے لئے چائے لے کر آگئیں۔ ساوتری نے یہ دیکھ کر کہ چائے کی صرف چار ہی پیالیاں لائی گئی ہیں۔ پوچھا "کیا آپ چائے نہیں پئیں گے۔ ہمشیرہ صاحبہ نے فوراً جواب دیا۔" آپ جو پئیں گے وہ بھی لاتی ہوں۔" استاذی قبلہ نے مسکرا کر کہا "ایسا اس لئے کہا گیا ہے کہ چائے پینے اور حقّہ پینے میں پینا مصدر مشترک ہے۔" تھوڑی دیر میں تازہ حقّہ پیش کر دیا گیا۔

استاذی قبلہ حقّے کے بڑے رسیا تھے۔ اگر اسے عیب کہا جاسکتا ہے تو آپ کو صرف یہی ایک عیب تھا۔ ورنہ شراب تو کیا آپ نے کبھی چائے بھی نہیں پی تھی۔ حقّہ کو بہ پا نے "انیسِ کنج تنہائی"

کا نام دے رکھا تھا۔ "تدبیر حقّے کی، تقدیر حقّے کی۔" کے قافیہ ور دیف میں ایک غزل بھی کہی تھی۔ چند شعر ملاحظہ کیجیے۔ ؎

نمازِ صبح سے پہلے نہ کی تدبیر حقّے کی
تمھارے گھر میں فریادی رہی تقدیر حقّے کی
ہمارے مولوی صاحب بھی دم بھرتے ہیں حقّے کا
دھوئیں کے ساتھ اڑ جائیگی اب تکفیر حقّے کی
خمیرہ لکھنؤ کا اس پہ خوشبو خس کے نیچے میں
بلائیں لے رہا ہے خطّۂ کشمیر حقّے کی

میں نے استاذی قبلہ سے آپ کی صحیح عمر کے بارے میں دریافت کیا اور اٹھائیس سال پہلے کی جیوتشی کی بات بھی یاد دلائی۔ آپ کو سب کچھ یاد تھا۔ فرمایا جیوتشی کے دیے ہوئے سال تو ہو چکے اب تمھاری ۱۰۰ سال کی عمر کی پیشین گوئی دیکھا چاہیئے۔ مزید فرمایا کہ میرا یوم ولادت عام طور پر یکم فروری ۱۸۸۲ء مانا جاتا ہے مگر صحیح ۱۸۸۳ء ہے۔ صحت کے متعلق فرمایا کہ کولھے کی ہڈی ٹوٹ جانے کی وجہ سے چل پھر نہیں سکتا۔ پاس ہی پڑی ہوئی میز کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ اگر کسی خط کا جواب دینا ہوتا ہے تو رینگ کر وہاں پہنچتا ہوں۔ آنکھیں بھی جواب دے رہی ہیں زیادہ لکھ پڑھ نہیں سکتا۔ یہ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی آپ کا ذہن اسی طرح تیز و طرّار تھا اور شگفتگیِ طبع کا تو کیا ہی کہنا۔ ہنس کے فرمانے لگے۔ "اگر میرے لئے درازیِ عمر کی دعا مانگنے کا ارادہ باندھ رہے ہو تو یہ ظلم نہ کرنا۔"

انھیں دنوں ۲۲ دسمبر ۱۹۷۲ء کے سنڈے ٹربیون[1] میں چلی

(باقی صفحہ ۲۰)

۱۔ پوری عبارت یہ ہے۔ "اردو کے سب سے معمر شاعر اکانوے (۹۱) سالہ پدم شری لبھو رام دہالی

حروف میں ایک چوکھٹا شامل تھا جس میں دوسری باتوں کے علاوہ یہ بھی لکھا تھا کہ آپ نے اپنے استاد داغ دہلوی کو صرف ایک ہی بار دیکھا ہے۔ یہ بات میرے ذہن میں رہی۔ میں نے استاذی قبلہ سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ یہ بات صحیح ہے۔ "داغ ایک مشاعرے میں تشریف فرما تھے مگر یہ اس وقت کی بات ہے جب میں ابھی حضرت داغ کے حلقۂ تلمذ میں شامل نہیں ہوا تھا۔"

میں نے تبرک کے طور پر کچھ کلام کی خواہش ظاہر کی تو آپ نے کچھ دیکھے کچھ ان دیکھے ایک کاغذ پر یہ شعر تحریر فرما دیا اور دستخط کر کے ۲۷ دسمبر ۱۹۷۰ء تاریخ ڈال دی ؎

تشبیہ دوں میں چاند سے اس رُخ کو کس طرح
دونوں میں جب ہے فرق زمین آسمان کا

شعر لاکھ روایتی سہی مگر اس میں زبان کا جو چٹخارہ اور معنویت پوشیدہ ہے وہ زبان کے نبض شناس ہی سمجھ سکتے ہیں۔ پھر جس آسانی سے شعر کہہ دیا گیا ہے اُس کی تو داد ہی نہیں دی جا سکتی۔

باتوں باتوں میں معلوم ہوا کہ امرتسر ٹیلی ویژن آپ پر ڈاکومنٹری فلم تیار کر رہا ہے۔ پوچھنے پر فرمایا "دو دفعہ فلما چکے ہیں۔ کہتے تھے کہ ایک دفعہ پھر آئیں گے۔" خدا جانے یہ ڈاکومنٹری ریلیز ہوئی کہ نہیں۔

(بقیہ حاشیہ پچھلے صفحے کا) "جوش ملسیانی" کی بینائی ابھی تک قائم ہے اور قوتِ سامعہ برقرار ہے۔ مشرقی پنجاب میں آپ کو وہی حیثیت حاصل ہے جو مغربی پنجاب میں ڈاکٹر اقبال کو حاصل تھی۔ حضرت جوش جناب داغ دہلوی مرحوم کے شاگرد ہیں جن کو آپ نے صرف ایک ہی دفعہ مشاعرے میں دیکھا تھا۔ راقم نے جمعرات کے روز خود ربان آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر مزاج پرسی کی۔ آپ کی تفریح شطرنج ہے۔" (انگریزی سے ترجمہ)

پورے تیرہ مہینے بعد یعنی ۲۷ جنوری ۱۹۷۶ء کو رات کے نو بج کر پچاس منٹ پر بمبئی ٹیلی ویژن پر خبر سنی کہ استاذی قبلہ اب اس دنیا میں نہیں رہے۔ آپ کی غزل کا ایک شعر ذہن میں آیا ؎

شوق کا معیار کس سے پوچھئے
طور کا شعلہ بھی اب خاموش ہے

مصرع ثانی کے عدد گنے تو ۱۶۲۳ نکلے۔ "سیلِ رنج" (۳۵۳) کے تعمیے کے ساتھ قطعۂ تاریخ کہا ؎

دے گیا داغ آخری شاگردِ داغ — اب سخن دانی کفن بردوش ہے
بوئے گل بے پر ہے مرگِ جوشؔ پر — زلفِ عنبر بار بارِ دوش ہے
بے حواسی کے ہیں عالم میں ادیب — ہوش میں اب کون اہلِ ہوش ہے
مصرعِ استاد ہو تاریخِ غم — تو بھی شاگردِ جنابِ جوشؔ ہے

لکھ دے "سیلِ رنج" کے ساتھ اے رضاؔ
طور کا شعلہ بھی اب خاموش[1] ہے

۳۵۳ + ۱۶۲۳ = ۱۹۷۶ء

---

[1] دو تاریخی قطعے اور بھی کہے تھے۔ ان میں تعمیہ تخرجہ نہیں۔ قارئین کی دلچسپی کے لئے وہ بھی درج کئے جاتے ہیں ؎

(۱) دے گئے داغِ الم داغ کے شاگردِ رشید — جوشؔ کے بعد نئے اب جوشِ سخن محض جنوں
جبکہ رہتی تھی انہیں نت نئے مضموں کی تلاش — سالِ رحلت کا ہوا "جوشِ تلاشِ مضموں"

۱۹۷۶ء

(۲) جوشؔ بھی اٹھے دنیا سے — ہر دل پُر غم — واویلا
کون ہے جو اس وقت نہیں — اشکِ مجسم — واویلا
شعر کی حالت صد افسوس — یاس کا عالم — واویلا
ان کا ایسا کون ہے اب — کس میں وہ دم خم — واویلا
لکھ دے رضاؔ تاریخِ وفات — فاضلِ اعظم — واویلا

۱۹۷۶ء

میرے والدِ محترم

(ابوالفصاحت حضرت جوش ملسیانی کے فرزندِ ارجمند جناب عرش ملسیانی کے قلم سے)

ایک ندّی کے کنارے جس کا نام بئین سفید ہے، ملسیان[1] کا قصبہ آباد ہے۔ تقسیم ملک سے پہلے یہاں کی بیشتر آبادی مسلمانوں کی تھی، جن میں سیّد بھی تھے، راجپوت بھی، راعین بھی اور پیشہ ور لوگ بھی، کچھ خوجے تھے جو سیپ کا کام کرتے تھے۔ ان کا یہ کام دور دور تک مشہور تھا۔ کچھ سنار تھے جو کھوٹے سکّے[2] بناتے تھے۔ اسی لیے لوگ انھیں سنار کے بجائے گھڑیارے کہتے تھے۔ قصبہ گنجان آباد تھا اسی لئے کئی مشمولات تھے۔ جس حصّے میں ہمارا گھر تھا اس کا نام عاقل پور تھا۔ اس میں ہندوؤں کے گھر دو چار ہی ہوں گے۔ مسجد سے اذان کی آواز ہر وقت سنائی دیتی اور اللہ اکبر دن میں کئی بار سنتے۔ پڑھا لکھا یہاں کوئی نہیں تھا۔ معمولی دستخط کرنے والے لوگ تھے ورنہ زیادہ تر انگوٹھا ہی لگاتے تھے۔

یہ قصبہ ایک زمانے میں بیدیوں کی جاگیر تھا۔ بابا کھیم سنگھ بیدی

۱۔ تحصیل نکودر ضلع جالندھر پنجاب (رضا)

۲۔ میرے بچپن میں آج سے لگ بھگ چالیس سال پہلے ملسیان کے جعلی روپے کی قیمت بارہ آنے یعنی آج کے ۷۵ پیسے تھی۔ (رضا)

انیسویں صدی کے آخر میں یہیں سے نقل مکان کر کے راولپنڈی چلے گئے تھے۔ ان کے خاندان کی انگریزی دربار میں بڑی عزت تھی۔ آج بھی ان کے پوتے جج، کمشنر اور اسی قسم کے ممتاز عہدوں پر فائز ہیں۔ ان کی بارہ دری، قلعے کے برج، طویلے اور دوسری عمارتوں کے کھنڈر میں نے اپنے بچپن میں دیکھے ہیں۔

یہیں ایک برہمن خاندان میں میرے والد کا جنم ہوا۔ میرے دادا کا نام پنڈت موتی رام تھا اور پردادا کا پنڈت نہال چند۔ والد کا نام لبھو رام رکھا گیا۔ اس زمانے کے یہ ان پڑھ لوگ ناموں کی نفسیاتی اہمیت نہیں جانتے تھے۔ میرے تایا کا نام رُلیا رام تھا جو والد سے عمر میں سات آٹھ سال بڑے تھے۔ ایک پھوپھی تھیں جن کی شادی ہوشیار پور کے قریب ایک قصبے خان پور میں ہوئی تھی۔ وہ بے چاری جلد ہی آلامِ زندگی کا شکار ہو گئیں۔ سنا ہے اس بدانجام شادی سے میرے دادا اور دادی دونوں نالاں تھے۔ سارے خاندان میں صرف ایک فرد تھا جس میں انسانیت کا جوہر بدرجۂ اتم موجود تھا اور وہ تھی میری دادی۔ میں صرف تین چار مہینے کا تھا جب اس کا انتقال ہو گیا۔ اس فرشتہ سیرت عورت کو میں نے نہیں دیکھا۔ والد اس سے بہت مانوس رہے اور اُس نے محنت مزدوری کر کے والد کو اس زمانے کے مطابق اچھی تعلیم دلائی۔ یعنی ورنیکلر مڈل تک پڑھا دیا۔

بڑے بوڑھوں سے سنا ہے کہ میرے پردادا گُڑ کا بیوپار کرتے تھے۔ ان کی کشتیاں ریاست بھاول پور کے قریب دریا میں طوفان کی نذر ہو گئیں اور انھیں عسرت نے آ گھیرا۔ میرے دادا پشاور میں مصری بتاشوں کی دکان

کرتے تھے۔ ان کی دوکان قصہ خوانی بازار میں تھی۔ کہنا یہی چاہیے کہ ان کا پیشہ حلوائی کا تھا۔ گویا ان کے والد قندِ سیاہ کی تجارت کرتے تھے اور یہ قندِ سفید کی۔

میرے آبا میں سے کوئی پیشہ ور برہمن نہیں تھا۔ پوجا پاٹھ بھی شاید ہی کوئی کرتا ہو۔ دادا نے البتہ برہمن پن کی رسم کو خیرباد کہہ کر پشاور کی بود و باش کے زیرِ اثر گوشت کھانا بھی شروع کیا اور شراب پینے کی بھی عادت ڈال لی۔ لیکن شکر ہے کہ ان کا لگایا ہوا یہ پودا خاندان میں پھلا نہیں، ان کی بات انھیں تک رہ گئی۔ پشاور سے کما کر لاتے اور دو چار مہینے میں اس سے غرقِ مئے ناب کر کے اور واپسی کا کرایہ اُدھار لے کر چلے جاتے۔ بڑا لڑکا ان کے پاس رہتا تھا اور میرے والد اپنی ماں کے پاس۔ والد جب ماں کی داستان سناتے تھے تو جی بھر آتا تھا۔ ملسیان سے شاہ کوٹ تین میل کے فاصلے پر ہے۔ سردیوں میں اس اسکول میں رات کو وہیں رہنا پڑتا تھا۔ استاد محنت کرتے تھے اور بچّوں کو پڑھاتے تھے۔ کھانا لے کر نصف راستے تک ماں جاتی اور نصف راستے تک ادھر سے والد خود آتے اور دو وقت کا کھانا ساتھ لے جاتے۔

والد نے ۱۸۹۷ء کے شروع میں ورنیکلر مڈل کا امتحان امتیاز سے پاس کیا پھر ۱۸۹۸ء میں اپنے والد کے پاس پشاور چلے گئے۔ دادا صاحب بیمار ہو گئے تو ان کے ساتھ ۱۸۹۹ء میں واپس آئے۔ اسی سال دادا کا انتقال ہو گیا۔ والد صاحب کی عمر اُس وقت ۱۵ سال کی تھی اور دادا مرحوم کی ۵۲ سال کی۔

۱۹۰۱ء میں اُنھوں نے نارمل اسکول پاس کیا۔ ڈویژن بھر میں اوّل رہے

۱۹۰۳ء میں لاہور ٹریننگ کالج سے سینیئر ورنیکلر ٹریننگ کا امتحان پاس کیا۔ نارمل اسکول کے بعد پہلے پہل وکٹر ہائی اسکول جالندھر میں مدرّس مقرر ہوئے۔ تنخواہ دس روپے ماہوار تھی۔ لالہ رام داس اس اسکول کے ہیڈ ماسٹر تھے جو بعد میں گوروکل کانگڑی کے گورنر بنے اور آچاریہ رام کے نام سے مشہور ہوئے۔ لالہ گوربخش رائے بھی اسی اسکول میں مدرس تھے۔ وہ ہندوستان کے مشہور شطرنج کے کھلاڑی ہوئے اور ایک دفعہ غالباً چمپین بھی رہے تھے۔

ابتدائی زندگی کا مختصر ساخاکہ ظاہر کر دے گا کہ کس طرح عسرت کے دن کاٹے، کیسے تعلیم حاصل کی اور مہر مادری کا سہارا کتنا اچھا سہارا ثابت ہوا۔

لاہور میں ایک سال قیام رہا تھا۔ وہاں کے مشاعرے دیکھے۔ اقبال اس زمانے میں اچھی غزلیں کہتے اور مشاعروں میں شامل ہوتے تھے۔ وہیں آپ نے مرزا ارشد گورگانی اور مولوی نذیر احمد دہلوی کو بھی دیکھا۔ کالج میں پنڈت رلارام اُردو اور فارسی پڑھاتے تھے اور ایرانی لہجے میں فارسی بولتے تھے۔ ان بزرگ کو میں نے بھی ۱۹۳۲ء کے قریب لدھیانے میں دیکھا تھا۔ اس وقت ان کی عمر ۸۵ سال کے قریب تھی۔ وہ بھی شعر کہتے تھے لیکن ان میں علم زیادہ ہوتا تھا، شعریت کم۔ بلکہ یوں کہیے کہ بالکل غائب۔ بڑے دل چسپ انسان تھے۔ والد (جوشؔ ملسیانی) کا نام اور تخلص انھیں یاد تھا۔ کہتے تھے "میرا شاگرد تو بہت ترقی کر گیا۔" اس زمانے کے لیل و نہار دیکھیے۔ مڈل اسکول کے ہیڈ ماسٹر باواسنگت سنگھ بیدی تھے۔ پرائمری اسکول کے ہیڈ ماسٹر منشی گنڈا رام اور ٹریننگ کالج میں اُردو فارسی کے مدرس اعلیٰ پنڈت رلارام، گویا کسی زبان پر کسی قوم کی اجارہ داری نہیں تھی اور نہ کہیں کسی قسم کی لسانی عصبیت ہی تھی۔

والد ٹریننگ کالج سے فارغ ہونے کے بعد جالندھر کے ضلعے میں

پرائمری اسکولوں میں اوّل مدرّس رہے۔ ان کے ایک ہم جماعت تھے لالہ رونق رام شاد جو بھدوڑ (ریاست پٹیالہ) کے رہنے والے تھے۔ شعر میں والد ہی سے مشورہ کرتے تھے۔ وہ بڑے کٹر آریہ سماجی تھے اور ایسے ہی موضوعات پر نظمیں کہتے تھے۔ ریاست میں ان پر مقدمہ چلا تو ان کے مکان کی تلاشی پر والد کی خط وکتابت بھی وہاں سے نکلی۔ اس شبہے میں کہ والد سیاسی نظمیں لکھتے ہیں۔ والد کے مکان کی بھی تلاشی ہوئی[۱]۔ لیکن چوں کہ اطلاع پہلے مل گئی تھی۔ اس لئے قابلِ اعتراض کاغذات آپ کے شاگردوں نے اندھادھند جلا دیئے تھے۔ ان کے ایک دوست اس زمانے کا مصرع سنایا کرتے ہیں، جو سودیشی تحریک سے متعلق تھا ع

"نہ دھوگا زرتو داغِ دامنِ ململ کو مل مل کر"

بہرحال گھر سے کچھ برآمد تو نہیں ہوا تھا لیکن اس کے باوجود دوسرے اسکول میں تبادلہ کردیا گیا جہاں آس پاس کچھ آبادی نہیں تھی۔ والد نے تنگ آکر استعفیٰ دے دیا اور ریاست جنید میں سفیدوں کے مقام پر ایک مڈل اسکول میں ملازمت کرلی۔ وہاں سے تین سال بعد نکودر آ گئے اور ۱۹۱۳ء سے نکودر ہی میں مقیم رہے۔

میں ملسیان ہی میں ۱۹۰۸ء میں پیدا ہوا تھا۔ اس لئے والد کے تتبع میں خود کو ملسیانی لکھنے لگا، ورنہ میری ساری زندگی نکودر ہی سے

---

[۱] استاذی قبلہ جوشؔ ملسیانی نے خود مجھ سے فرمایا تھا کہ اس واقعہ کے بعد سے انھوں نے اپنے کلام اور چند سندوں کے سوا کوئی کاغذ گھر میں نہیں رکھا۔ شاگردوں کے خطوط بھی جواب دینے کے بعد تلف کر دیتے تھے۔ (رضا)

وابستہ رہی ہے ۱۹۳۶ء کے آخر میں والد یہاں ڈسٹرکٹ بورڈ ہائی اسکول سے ریٹائر ہوئے تھے۔ حقیقت میں ان کی عظمت کا صحیح زمانہ ملازمت کے بعد ہی شروع ہوا۔ اس سے قبل تو لوگ انھیں پہچان ہی نہ سکے نہ ان کی عظمت ہی کو جان سکے۔ زبان و بیان پر ان کی قدرت کو بھلا اس علاقے میں کون سمجھتا۔ حیرت اس پر ہے کہ وہ عمر بھر اس علاقے میں مقیم رہے لیکن دہلی اور لکھنؤ کی ٹکسالی زبان نہ جانے کہاں سے سیکھی۔ کہا کرتے تھے کہ جب پندرہ روپے ماہوار تنخواہ تھی تو ان میں سے پانچ روپے کتابوں اور رسالوں پر صرف کیا کرتا تھا۔ میں نے اپنے گھر میں پیام یار (لکھنؤ) کمال (دہلی) جلوۂ یار (میرٹھ) اور نہ جانے کتنے رسالوں کے فائل دیکھے ہیں۔ پیام یار میں آپ کا طرحی کلام ۱۹۰۶ء کے قریب سے چھپنے لگا تھا۱۔ کتابوں کو سنبھالنے کی انھیں عادت تو تھی لیکن سلیقہ نہ تھا۔ اب ان میں سے ایک پرزہ کاغذ بھی باقی نہیں رہا۔ سب سے بڑا المیہ ہے کہ ان کا مجموعہ "جنون و ہوش" ۱۹۵۲ء میں پہلی بار چھپا تو اس کے بعد انھوں نے اپنی تمام بیاضیں ایک لفافے میں بند کر کے رکھ دیں اور دو تین سال انھیں ہاتھ نہیں لگایا۔ ایک دن جب لفافہ اٹھا کے دیکھا تو لفافہ باقی تھا اور کلام کی بیاضوں کو دیمک اس طرح چاٹ گئی تھی کہ کاغذ کا دو انچ پرزہ بھی نہیں ملا۔ میں نے ان بیاضوں کو اول سے آخر تک نہ جانے کتنی مرتبہ پڑھا تھا۔ ان میں کتنا کلام تھا جو ضائع ہو گیا۔ وہ تو کہئے کہ "بادۂ سرجوش" اور "جنون و ہوش" دو مجموعے چھپ چکے تھے ورنہ یہ کلام بھی ضائع ہو گیا ہوتا۔ بہت سی تقریبی اور فرمائشی

۱۔ میرے کتب خانے کے "پیام یار" کے فائلوں میں بھی چند غزلیں موجود ہیں۔ (رضا)

نظمیں تھیں۔ قطعاتِ تاریخ تھے، پرانی غزلیں تھیں۔ مشکل زمینوں میں عشقیہ غزلیں بھی تھیں۔ پہلی جنگِ عظیم سے متعلق بیسیوں نظمیں تھیں۔ ایک مسدس بھی جو تیس پینتیس بندوں پر مشتمل تھی۔ ایک نظم گنگا کا ترانہ، ایک نظم گائے کی فریاد اور بہت کچھ تھا۔

۱۹۱۹ء میں جلیان والا باغ (امرتسر) کے حادثے کے بعد پنجاب کے شہروں اور قصبوں میں بڑی زوردار ہڑتالیں ہوئیں۔ نکودر کی ہڑتال کا وہ پُرجوش نظارہ مجھے یاد ہے۔ غلام غوث کے باغ میں ہندو مسلمانوں کا بڑا زبردست اجتماع ہوا۔ والد نے بھی چار پانچ شعر پڑھے تھے۔ ان میں سے دو تین شعر یاد ہیں۔

کر گئی زندۂ جاوید محبت ہم کو
کس کی ہستی کو مٹائیں گے مٹانے والے

پس گئے سرمہ صفت پھر بھی رہا دل کا غبار
اور ہوں گے کوئی آنکھوں میں سمانے والے

چار پانچ سال بعد نکودر میں ایک سب جج آئے، نام غالباً سید حفیظ الدین تھا۔ ان کے والد کے استاد میر نثار علی شہرتؔ بھی ان کے ساتھ تھے۔ شہرتؔ صاحب جموں و کشمیر کے سررشتۂ تعلیم میں افسر رہ چکے تھے۔ جے پور میں بھی رہے تھے متعدد اخباروں کے مدیر بھی رہے۔ وہ حسین علی فرحتؔ کے بیٹے تھے جو شاہ نصیر کے شاگرد تھے۔ شہرتؔ خود مولا بخش قلقؔ کے شاگرد تھے۔ کہا کرتے تھے کہ بہادر شاہ کے دربار میں مشاعرہ پڑھ چکا ہوں۔ ۹۰ اور ۱۰۰ کے درمیان عمر ہو گی۔ آواز اس وقت بھی کراری تھی۔ داغؔ کے انتقال پر ۱۹۰۵ء میں انھوں نے ایک کتاب "آئینۂ داغ" کے نام

سے لکھی تھی۔ والد سے ان کی اکثر ملاقاتیں رہیں۔ نکودر ہی میں ان کا انتقال ہوا اور وہیں دفن ہوئے۔ یہ بات ۲۲ ۱۹ء کے قریب کی ہوگی۔

اسی زمانے میں ان کے اہتمام میں نکودر میں ہر پندرہ دن کے بعد بزمِ مشاعرہ منعقد ہوا کرتی تھی۔ سات آٹھ مقامی شاعر اس میں حصہ لیتے تھے۔ مفتی سید محمد حنیف سید اس بزم کے صدر تھے "ریاضِ سخن" اس بزم کا سالانہ مشاعرہ ۱۹۲۴ء کی گرمیوں میں نکودر میں منعقد ہوا۔ جالندھر اور کپور تھلے کے علاوہ بعض دوسرے مقامات سے بھی شعراء تشریف لائے تھے۔ حفیظ کو درد صاحب لاہور سے لے آئے۔ وہ حفیظ کی اُٹھان کا زمانہ تھا۔ دو مصرع ہائے طرح تھے۔

۱۔ آئینہ کوئی رکھ دے ہمارے مزار میں

۲۔ جو کوئی دنیا میں آیا اس کی رسوائی ہوئی

محمد علی آذر[1] جالندھری، کبیر خاں رسا جالندھری، مسرور کپور تھلوی۔ سوہن لال ساحر کپور تھلوی، اور نہ جانے کتنے شعراء تھے۔ سب سے دل چسپ آمد علی سکندر جگر مراد آبادی کی تھی۔ جو پیرزادہ عبدالحمید وکیل جالندھر کی وساطت سے آئے تھے اور جالندھر میں چشموں کی تجارت کے سلسلے میں مقیم تھے۔ پیرزادہ صاحب بڑے سخن پرور شخص تھے۔ ان کے والد محترم غلام قادر آشنا اپنے ہمنام گرامی کے ہمدرس تھے اور فارسی میں شعر کہتے تھے۔ پیرزادہ صاحب کے مکان پر اکثر شعر و سخن کی محفلیں

---

[1] یہ ایل۔ آر۔ دو آبہ ہائی اسکول جالندھر میں ٹیچر تھے اور کنیا مہا ودیالیہ جالندھر میں بھی فارسی پڑھایا کرتے تھے۔ نہایت شریف، شستہ اور وضعدار انسان تھے۔ میں نے ان سے پڑھا ہے۔ (رضا)

ہوتی تھیں۔

اس مشاعرے کے انتظام و انصرام میں والد کے دو معتبر اور پرانے شاگرد دوں لالہ جگن ناتھ کمالؔ اور نوبہار رام درد کا ہاتھ تھا۔ مشاعرے کی دو تین نشستیں ہوئیں۔ نکودر میں دھوم مچ گئی۔ جس کو دیکھئے شعر و سخن کا دل دادہ نظر آتا تھا۔ جگرؔ نے طرحی غزل "بہار میں" سنائی۔ آذرؔ نے بقید یک قافیہ بہار۔ ان کا ایک شعر مجھے آج تک یاد ہے۔

اپنی بہار بس یہی اپنی بہار تھی
نام بہار ہم نے سنا تھا بہار میں

سب نے داد سخن دی اور دوسری زمین میں حفیظؔ کا مطلع تھا۔

کیا ہوا؟ کون آ گیا؟ کیوں ٹل گئی، آئی ہوئی
موت کے رخ پر بھی ہے کیوں مُردنی چھائی ہوئی

غیر طرحی دور میں حفیظؔ نے کرشن کنھیّا اور برسات کی دل آویز نظمیں سنائیں اور شعر کی نئی راہوں سے شعرا اور سامعین کو آگاہ کیا۔ مسرورؔ کپور تھلوی عجیب دھن میں گاتے تھے۔ احباب کہتے تھے کہ نوما لکونس آ گئی۔ انھوں نے اپنے والد ماجد منشی احمد بخش رنجورؔ کپور تھلوی شاگرد داغؔ کی دو غزلیں سنگلاخ زمینوں میں سنائیں۔ ایک تو ذرا سہل تھی رہبر کے ساتھ، ساغر کے ہاتھ۔ دوسری ردیف تھی پر طاؤس اور قافیہ تھا داغ، اور ایاغ۔ لیکن وہ تحت اللفظ بھی پڑھتے ہوئے اسے غلط بحر میں پڑھ رہے تھے۔ والد کی غزل بھی پہلی زمین میں ہے۔ کیا شعر کہا ہے۔

میرے نغمۂ سن کے بتخانے کی ہر مورت ہے مست
پھول برساتے ہیں مجھ پر سینکڑوں پتھر کے ہاتھ

اس مشاعرے کا حاصل یہ رہا کہ چند دن کے بعد پتا چلا کہ یہ جگر صاحب کوئی جعلی جگر تھے۔ جالندھر سے بے اطلاع کے بھاگ گئے اور پھر دیکھنے میں نہیں آئے۔ جب اصلی جگر مرادآبادی صاحب سے کپورتھلہ میں ملاقات ہوئی تو والد سے اس کا حلیہ وغیرہ پوچھتے رہے۔ قیامت تو یہ تھی کہ انھیں کا کلام پڑھتے۔ انھیں کا مجموعہ 'داغِ جگر' بیچتے۔ انھیں کی طرح شطرنج کا بھی شوق تھا۔ اور شطرنج اچھی کھیلتے تھے۔ مشاعرے کے بعد بھی نکودر آتے رہے اور والد سے رات رات بھر شطرنج کھیلتے رہے۔ عجیب عجیب نسخوں کا بھی شوق تھا۔ طب میں بھی اچھی دسترس تھی۔ لوگوں کی ستم ظریفی دیکھئے کہ اصلی جگر کو نقلی اور نقلی کو اصلی سمجھتے تھے۔

والد کے ایک ذہین اور ہونہار شاگرد تھے نوہریارام درد۔ وہ مجھ سے عمر میں کوئی تین چار سال بڑے ہوں گے۔ نریش کمار شاد انھیں کا فرزند تھا۔ وہ جب لاہور کالج میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے گئے تو وہاں کے ادبی حلقوں میں اپنے استاد کا نام اُچھالنے میں مصروف رہے۔ جس سے بعض اساتذہ مثلاً تاجور نجیب آبادی، ارمان دہلوی، پنڈت کیفی اور کچھ نوجوان شعراء بہت متاثر تھے لیکن آپ تو اپنے گوشے سے نکلتے ہی نہیں تھے۔ درد صاحب نے ایک ترکیب سوچی۔ بانگِ درا کا ایک نسخہ لائے اور والد سے کہنے لگے کہ اس میں جو اسقامِ سخن ہیں اُن پر ایک مضمون لکھ دیجئے۔ یہ سادہ مزاج اور بھولے تو تھے ہی جھٹ مان گئے۔ ایک ہی نشست میں نشان لگا لئے اور لالہ کرم چند کے ہفتہ وار اخبار "پارس" میں دنش کے قریب قسطیں جرّاح کے نام سے چھپ گئیں۔ لاہور میں بڑا شور ہوا۔ جو لوگ اُن کے قدر شناس اور اُن کی طرف تھے وہ بھی مخالف ہو گئے۔

ان میں ایک تو حفیظ جالندھری ہی تھے۔ یہ مخزن کے دوسرے دور میں اس کے مدیر ہو گئے تھے۔ انھوں نے والد کی تصویر اور حالات اشاعت کے لئے منگوائے تھے۔ جب یہ مضمون شائع ہوئے تو انھوں نے اس کی اشاعت کا ارادہ ترک کر دیا اور نہیں چھاپا۔ مجھے یاد ہے کہ اس سلسلے میں میری ان سے بڑی تلخ خط و کتابت ہوئی تھی۔ اور وہ مجھ سے سخت ناخوش بھی رہے۔ ایک مشاعرے میں مجھے مخاطب کر کے یہ شعر پڑھے۔

نہ پہچانا کسی نے بھی وطن میں
سمجھتا تھا بہت مشہور ہوں میں
نہیں کرتا عزیزوں کی شکایت
عزیزو! ہاں بہت مغرور ہوں میں

درد نے تنقیدی مضامین کتابی صورت میں چھاپ دیئے تھے۔ جب نیاز فتح پوری، نوح ناروی اور ریاض خیر آبادی کو کتاب ملنے بھیجی تو سب نے بہت پسند کی۔ نگار، میں ریویو بھی چھپا تھا۔ نیاز نے مجھ سے والد کا کلام بھیجتے رہنے پر بھی اصرار کیا۔

اب مشاعروں کی گہما گہمی رہنے لگی۔ کپور تھلے اور شملے کے مشاعروں میں اساتذۂ وقت سے متعارف ہوئے۔ داد بھی ملی اور انھیں اساتذہ کی صفِ اوّل میں اپنا صحیح مقام بھی مل گیا۔

اِن مشاعروں میں قابلِ ذکر مشاعرے بہت ہیں لیکن صرف چند کا ذکر کرتا ہوں۔ پنڈت امرناتھ ساحرؔ دہلوی کا مشاعرہ سلور جوبلی دسمبر ۱۹۳۰ء میں منعقد ہوا تھا۔ اس میں ہندوستان کے ہر گوشے سے شعراء جمع ہوئے تھے۔ اُن کی تین نشستیں ہوئی تھیں۔ غالب کا مصرع:

اُدے نالۂ نشانِ جگرِ سوختہ کیا ہے"؟ مصرعِ طرح تھا۔ بعض مشاہیر نے والد کو یہاں پہلی بار سُنا خوب خوب داد ملی، خاص کر ان اشعار کی سے

کچھ جذبۂ صادق ہو کچھ اخلاص و ارادت
اس سے ہمیں کیا بحث، وہ بُت ہے کہ خدا ہے

او مستِ رعونت! یہ جوانی نہ رہے گی
جس حُسن پہ نازاں ہے وہ پر تول رہا ہے

فارسی کا مصرع بھی تھا:

ننگِ چشمم، گر نظر بر جنّت و کوثر کنم

اس سے قبل شملے میں ایک بہت بڑا مشاعرہ ہوا تھا۔ حسرت موہانی والد کا کلام سُن کر حیران رہ گئے تھے۔ اس کے بعد انھوں نے اردوئے معلیٰ میں آپ کے حالات اور کلام شائع کیا۔ پھر تو وہ جب بھی ملے، بڑی محبّت سے ملے۔ وہ آپ کی زبان دانی پر رشک کا اظہار کیا کرتے تھے۔

بزمِ اردو شملہ نے دو تین مشاعرے کئے۔ اس کا آخری مشاعرہ ۱۹۴۱ء میں دہلی میں ہوا تھا۔ ایک مشاعرے میں تو آپ سے متواتر تین غزلیں سُنی گئیں۔ اہلِ ذوق کا مجمع ہوتا تھا۔ محض سُر تال سے لوگ سامعین کو فریب میں نہیں لا سکتے تھے۔ شعر میں جان ہو تو اسے کسی طرح پڑھ لیجئے۔ سننے والے ضرور پھڑک اُٹھتے تھے۔

۳۰، ۳۱ دسمبر ۱۹۳۸ء کو لاہور میں ایک عظیم الشان مشاعرہ صنعتی نمائش کے میدان میں ہوا تھا۔ اس مشاعرے میں سر عبدالقادر، دیوان بہادر راجہ نریندر ناتھ دونوں صدر تھے۔ سر عبدالقادر کے ساتھ منشی محمد ناظر کی

ہر مشاعرہ جیلیں میں نے نہیں دیکھی تھیں۔ سر عبدالقادر نے غزل کا پہلا انعام مجھے دیتے ہوئے والد کو سامعین سے متعارف کرایا اور کہا کہ باپ بیٹا دونوں داغ کی زبان لکھتے ہیں۔ میرے اس شعر کو بار بار پڑھا تھا ؎

داغِ دل سے بھی روشنی نہ ملی
یہ دیا بھی جلا کے دیکھ لیا

اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ داغ کے دیوان میں اس غزل کو بھی شامل کر کے پڑھو، تو معلوم ہو گا کہ داغ ہی کا کلام ہے۔ یہ خود ستائی کی بات نہیں بلکہ والد کی تعریف ہے کہ ان کے دامنِ تربیت میں پل کر میں اس قابل ہو گیا تھا حالاں کہ ان سے اصلاح نہیں لیتا تھا۔

دہلی ہارڈنگ لائبریری کے مشاعرے فصیح الدین احمد کے اہتمام سے بڑی شان سے ہوئے۔ ایک مشاعرے میں انگریز ڈپٹی کمشنر آیو نز نے شعراء کا استقبالیہ فارسی زبان میں پڑھا تھا اور مشاعرے کی چار نشستوں کی صدارت سر تیج بہادر سپرو، نواب رام پور سر رضا علی اور رائے بہادر رام کشور نے کی تھی۔

اس کے بعد سیّد نثار حیدر زیدی ڈپٹی کلکٹر کے اہتمام سے دیوبند اور سہارن پور میں بڑے معرکے کے مشاعرے ہوئے۔ وہ شفیق تک کو لے آئے تھے جو مشاعروں میں نہیں جاتے تھے اور نہ جانے کے قابل رہے تھے۔

لائل پور کاٹن ملز میں مرلی دھر شاد کے اہتمام سے کئی سال مشاعرے ہوئے۔ شاگردانِ داغ اور اُن کی اُمّت وہاں خاص طور پر بلائی جاتی تھی چونکہ وہ خود بیخود دہلوی کے شاگرد تھے۔

امرت سر کا مشاعرہ ۲۳ اپریل ۱۹۴۳ء کو مسٹر موَن ڈپٹی کمشنر کے

اہتمام سے ہوا تھا۔ وہ خود بھی ایک نئی شیروانی اور شلوار پہن کر شامل مشاعرہ ہوئے تھے۔ ریاض قریشی سٹی مجسٹریٹ نگران تھے۔ یہ بہت بڑا مشاعرہ تھا۔ جوش ملیح آبادی اور جگر مراد آبادی بھی آئے تھے۔ اس مشاعرے کی روئداد بعد کو بہارستان کے عنوان سے شائع ہوئی تھی۔

نومبر ۱۹۴۱ء میں شملے کی بزم اُردو کا مشاعرہ دہلی میں ہوا۔ یہ مشاعرہ ٹاؤن ہال میں ہوا تھا۔ مشاہیر کے ساتھ والد تو تھے ہی میں بھی حاضر تھا۔ میری طرحی غزل "مفاعیلن .... سوگوار آئی"، بڑی سرسبز ہوئی۔ مسٹر غلام محمد جو بعد میں پاکستان کے گورنر جنرل بنے، اس مشاعرے کے سرپرست تھے۔ بہت خوش ہوئے اور اس کے صلے میں مجھے لدھیانے سے دہلی لے آئے۔ حکومتِ ہند کی ملازمت میں ان کی کوشش سے آیا۔ پھر تو کھلا میدان تھا۔ چلتا گیا، بڑھتا گیا۔ والد بھی بہت خوش ہوئے۔

پاکستان بننے کے بعد والد ایک بار مولوی عبدالحق کی دعوت پر کراچی بھی تشریف لے گئے۔ وہاں بھی آپ کے عقیدت مندوں کی کمی نہیں۔ سب خندہ پیشانی اور احترام سے پیش آئے۔ فرماتے تھے کہ گاڑی میں ہمسفروں کو جب میرے نام کا علم ہوا تو وہیں سے خاطر مدارات شروع ہو گئی۔ اس سے پہلے بھی وہ ایک بار ۱۹۴۰ء میں کراچی بزمِ غالب کی دعوت پر تشریف لے جا چکے تھے لیکن اب تو دوسرا ملک تھا۔ البتہ لوگ غیر نہیں تھے۔ یہ اُردو کی کرامت تھی۔ جشنِ جمہوریت کے مشاعرے میں دہلی میں متعدد بار شامل ہوئے۔ ایک بار تو اس عظیم الشان مشاعرے کی صدارت کا اعزاز بھی آپ کو ملا۔

پنڈت گوبند بلبھ پنت نے ۱۹۵۷ء میں آپ کو بھی سندرن گرنتھ پیش کیا۔

تو آپ نے اس موقع پر دو شعر کا یہ قطعہ پڑھا۔

پوچھا کسی نے مجھ سے کہ یہ شاعری کی قدر
مسندِ امام کی ہے کہ گدّی جہنت کی
میں نے کہا یہ دونوں ہی باتیں ہیں نادرست
جو کچھ بھی قدر ہے وہ عنایت ہے ہنت کی

۱۹۵۰ء میں شیخ محمد عبداللہ کشمیر کے وزیرِ اعظم تھے بڑے اچھے موڈ میں تھے جوش ملیح آبادی کے ایما پر سری نگر میں ایک عظیم الشان مشاعرہ منعقد کیا۔ ایک جگر کو چھوڑ کر باقی سب مشہور شاعر موجود تھے۔ جوش بلکہ یوں کہئے کہ جوشین، ملیح آبادی اور ملسیانی، فراق، محروم، ہری چند اختر، مجاز، جذبی، روش، آزاد وغیرہ اب سب نام مجھے کہاں یاد آئیں گے۔ دلی سے سب لوگ ہوائی جہاز سے گئے تھے۔ والد بہت لیت ولعل کرتے رہے لیکن بالآخر میں انھیں ہوائی جہاز سے لے ہی گیا۔ واپسی میں انھوں نے ہوائی جہاز سے آنے سے انکار کر دیا۔ اس لئے بس اور ریل سے آنا پڑا۔

چند سال ہوئے وہ سنگیت کلا مندر کلکتہ کی دعوت پر گئے تھے۔ میں جانتا تھا کہ وہ ہوائی جہاز سے نہیں جائیں گے اس لئے ریل گاڑی سے فرسٹ کلاس میں آرام سے جانا آنا ہوا۔ اس وقت آپ عمر کے ۸۷ ویں سال میں تھے اور لوگ آپ کو دیکھ کر حیرت میں تھے۔ مشاعرے کے بعد کچھ تاجروں نے ایک مختصر سی تقریب میں آپ کو خوش آمدید کہا اور ایک شال نذر کی۔

آپ نے احباب کی بے شمار منظوم کتابوں پر مبسوط تبصرے کئے ہیں۔ جن میں کارنامۂ غم مصنفہ احسن مارہروی، نغمۂ فردوس از خوشی محمد ناظر گنجِ معانی از محروم، آیاتِ وجدانی از یگانہ چنگیزی۔ مطلع انوار از برق دہلوی، شعاعِ مہر

از مہر گوالیاری خاص طور پر ذکر کے قابل ہیں۔ اس کے ساتھ نوح ناروی، امیر مینائی، دل شاہ جہاں پوری، یگانہ، قمر بدایونی، بیخود بدایونی، احسن مارہروی پر سیر حاصل طویل مضامین بھی لکھے ہیں۔

علمی مضامین میں املا کی غلطیاں، شکست ناروا، اُڑنا، اُڑانا، شعر میں تخفیفِ الفاظ، شمشاد لکھنوی، فارسی کی مثنوی سستی سینوں کے مصنف منشی اندرجیت کی سرگزشت اور مثنوی کا جائزہ، ذوق سے ناانصافی اور بیسیوں مضامین ہیں جو مختلف رسالوں میں چھپے ہیں۔

مشاعروں کی کیفیات اور مضامین کے دو مجموعے مرتّب شدہ موجود ہیں لیکن ہنوز شرمندۂ اشاعت نہیں ہوئے۔

آپ کے پورے علمی اور شعری کام کا احاطہ کرنا اس لئے مشکل ہے کہ آپ نے ایک لمبی مدّت یعنی تقریباً ۷۵ سال تک اُردو کی خدمت کی۔ پورا ریکارڈ بھی موجود نہیں اور یادداشتیں بھی نہیں۔ یہ تو جب میں نے ہوش سنبھالا تو کچھ نہ کچھ جمع کرنا شروع کیا۔ افسوس کہ سارے دیوان کی حفاظت میں بھی نہ کرسکا اور نہ جانے کتنے قیمتی اور اہم شہ پارے دیمک چاٹ گئی۔

آپ نے ۱۸ جنوری ۱۹۵۱ء کو ایک نظم کہی تھی۔ عنوان تھا "اپنے کلام کو الوداع" اس کا پہلا بند تھا۔

اے عزیزانِ گرامی! تم کو رخصت آج سے
شوق سے جاؤ جہاں چاہو اجازت آج سے
میں نہیں سمجھوں گا تم کو اک امانت آج سے
چھوڑ دی اپنی بیاضوں کی حفاظت آج سے

شاید یہ پیش گوئی تھی کہ بیاضیں ہی باقی نہ رہیں۔ لیکن خدا کا شکر ہے کہ

"جنون و ہوش" کے بعد جس میں یہ نظم شائع ہوئی "فردوسِ گوش" شائع ہوئی۔ "آئینۂ اصلاح" شائع ہوئی جس میں شاگردوں کے کلام پر اصلاحیں مع توجیہ درج ہیں۔ اس کے دو ایڈیشن نکلے۔ "دیوانِ غالب مع شرح" شائع ہوا۔ اس کے پانچ ایڈیشن نکلے۔ پھر رباعیات کا مجموعہ "نغمۂ سروش" کے نام سے شائع ہوا۔

آخر میں کولھے کی ہڈی ٹوٹ جانے کی وجہ سے صحت کو بڑا دھکا لگا تھا اور آپ چلنے پھرنے سے معذور ہو گئے تھے۔

ڈاکٹر سیّد محمود نے ۱۹۵۷ء میں کہا تھا...."جوش ملسیانی زندہ ہیں اور جب تک وہ زندہ ہیں داغ زندہ ہے۔" چنانچہ ۲۷ جنوری ۱۹۷۶ء کو میرے والد محترم کے انتقال کے ساتھ ہی گویا داغ اور داغ کے تقریباً دو ہزار براہ راست شاگردوں کا خاتمہ ہو گیا[1]۔

---

[1] یہ مقالہ میرے مجموعۂ مضامین "بود و نبود" اور رسالہ تحریر کے جوش ملسیانی نمبر میں شائع ہو چکا ہے، مگر اس وقت والد محترم حیات تھے۔ اب برادرم حبا کی فرمائش پر اس میں کچھ رد و بدل کے علاوہ والد صاحب کے انتقال پُر ملال کا ذکر بھی شامل کر دیا گیا۔

مکتوبات

نکودر

۲۱ اکتوبر ۱۹۴۸ء

عزیز القدر

جے ہند۔ محبت نامہ پہنچا۔ میں ابھی دہلی نہیں گیا۔ دیوالی کے بعد وہاں جانے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ کمال[۱] صاحب کے چند اشعار بھیجنے کا شکریہ۔ انھیں پڑھ کر خوش وقت ہوا ہوں۔ صحت تاحال اچھی چلی جا رہی ہے۔ چند تازہ اشعار حسب الطلب یہاں لکھے دیتا ہوں ؎

زندگی کیوں نہ ہو لبِ فریاد
ایک دل وہ بھی خانماں برباد

پھر وہی نالہ پھر وہی فریاد
حیف ہے تجھ پہ اے دلِ ناشاد

اس کے سننے سے کیوں ہے عار تجھے
میری روداد ہے تری روداد

آنکھ کہتی ہے مشکلات کو دیکھ
شوق کہتا ہے ہرچہ بادا باد

جب کبھی پیدا ہوئی تڑپ دل میں
سی دیئے ضبط نے لبِ فریاد

---

[۱] لالہ جگن ناتھ کمالؔ کرتارپوری۔ آپ کا ذکر گذشتہ صفحات میں آ چکا ہے۔

اُن کی آمد تھی یا قیامت تھی
اور بھی کر گئی مجھے برباد
لبِ اظہار کی ضرورت کیا
آپ ہوں اپنے درد کی فریاد
کیا کہوں اس کی تمکنت اے جوشؔ
جس کی بیداد بھی ہے طالبِ داد

زیادہ اظہارِ محبت و دعائے درازیِ عمر۔

جوشؔ ملسیانی

۲

نکودر
۳ مارچ ۱۹۴۹ء

عزیز القدر

جے ہند۔ محبت نامہ پہنچا۔ غزل بھی ملی مگر ان قافیوں میں ایطا ہے یا تو کریں۔ مریں ہوں۔ یا کہیں، سہیں۔ رہیں، بہیں قافیے ہوں۔ ہ کی پابندی سے یا رہیں۔ کریں کے ساتھ دیں، لیں، آفتیں وغیرہ قافیے ہوں۔ ایک ایک دو دو شعر چھوڑ کر رہیں، بہیں، کریں آ جائے تو مضائقہ نہیں۔ کہہ۔ رہ۔ بہ۔ جی (جھبئیں) یہ سب بامعنی ہیں۔ یں دور کر کے باقی ٹکڑا بے معنی رہنا چاہیے۔ یا تو دو بے معنی ہوں یا کوئی ایک۔ اس لئے غزل کو چھوڑنا پڑا۔ زیادہ اظہارِ محبت و دعائے درازیِ عمر۔

جوشؔ ملسیانی

۳

نکودر۔ ضلع جالندھر۔ مشرقی پنجاب
یکم ستمبر ۱۹۵۰ء

اخلاص نواز عزیز القدر رضا زاد لطفہٗ

جے ہند۔ لفافہ پہنچا اور 25 شلنگ[1] بھی پہنچے۔

دو جلد شرح دیوان غالب مجلّد علٰحدہ پیکیٹ کی صورت میں اور ایک جلد بادۂ سرجوش علٰحدہ پیکٹ میں بحری سفر کے ذریعے ارسال ہیں۔ دونوں پیکٹ رجسٹرڈ ہیں۔

بادۂ سرجوش کا اڈیشن آخری حد تک ختم ہے۔ دس کاپیاں رہ گئیں تو فروخت بند کر دی۔ مگر احباب کے تقاضوں نے تنگ کیا اور بہت سے انکار کے باوجود یہ جلدیں آہستہ آہستہ کم ہو کر صرف دو رہ گئیں۔ اب اُن میں سے ایک جلد ارسال کر رہا ہوں تاکہ آپ مایوس نہ ہوں۔ ہائی اسکول کے لئے جو شرح طلب کی گئی ہے احتیاطاً اس کا بل بھی 8 شلنگ کا ارسال کر رہا ہوں۔ ممکن ہے کہ اسکول کو اس کی ضرورت ہو۔

بادۂ سرجوش کے پیکٹ میں مشاہیر اُردو کی مطبوعہ رائیں اور دو بڑے اشتہار بھی ارسال کر رہا ہوں۔ یہ مطبوعہ رائیں بطور خلاصہ شائع کی ہیں۔

---

[1] شلنگ: اس وقت مشرقی افریقہ کے ڈیڑھ شلنگ ایک روپیہ (ہندوستانی) کے برابر ہوتے تھے۔ آج کل (مشرقی افریقہ) اور روپے (ہندوستانی) کی شرح تقریباً برابر ہے۔

اصل رائیں بسیط اور طویل ہیں۔ مثلاً رسالہ مخزن لاہور کا ریویو ڈھائی صفحوں میں ہے۔ میں نے ایک جگہ

مرے بت خانے میں تو کعبے میں گاڑو برہمن کو

اس شعر کی شرح لکھ کر یہ بھی لکھا ہے کہ دفن کرو کی جگہ گاڑو یہاں کھٹکتا ہے۔ خاص کر اس صورت میں کہ مضمون برہمن کے احترام کا ہے اور گاڑو احترامی لفظ نہیں ہے۔ "مخزن" نے اس بے لاگ بات کی داد دی ہے اور لکھا ہے کہ اس قسم کے نکتے ایک برہمن ہی کو سوجھ سکتے ہیں۔ اس کتاب کی اشاعت کا ایک نتیجہ یہ ہے کہ بی اے کے امتحان اُردو کا ہیڈ ایگزامینر ۱۹۵۱ء سے مجھے بنا دیا گیا ہے۔

---

۲۵ شلنگ کے سولہ روپے نو آنے وصول ہوئے تھے۔ اب اس کا حساب یہ ہے۔

شرح غالب دو جلد	10 - ۰ - ۰
بادۂ سرجوش یک جلد	1 - 8 - ۰
ڈاک کا خرچ	۰ - 14 - ۰
یہ لفافہ ہوائی سروس میں بھیج رہا ہوں	۰ - 12 - ۰
روپے	13 - 2 - ۰

باقی 3/7/- میرے پاس بمد امانت ہیں۔

تین ہفتے سے کچھ زیادہ دن دلی رہا ہوں۔ ۲۷ اگست کو واپس آیا۔ وہاں دو آل انڈیا مشاعرے تھے۔ ایک مشاعرے میں حاضری چھ ہزار سے کم نہ تھی۔ یہ لال قلعے میں ہوا۔ دونوں مشاعرے دو دو دن دو دو گھنٹے

روزانہ براڈ کاسٹ ہوتے رہے۔ نوح ناروی، جوش ملیح آبادی، محروم، روش صدیقی، ابر احسنی، اثر لکھنوی بھی تشریف لائے تھے۔ شاگردانِ داغ پر ایک ٹاک جس کا وقت مجھے ۱۵ منٹ دیا گیا، ریڈیو اسٹیشن دہلی نے اپنے پروگرام میں شامل کر لیا ہے۔ اس کا ریکارڈ بھر آیا ہوں۔ یہ ٹاک ۶ ستمبر کو شام کے سوا آٹھ بجے سنائی دے گا۔

یہ مضمون بھی خاص طور پر دل چسپ ہے۔ مگر سچ یہ ہے کہ میں جتنا کچھ اس میں لکھنا چاہتا تھا، تھوڑے وقت کی وجہ سے اتنا نہیں لکھ سکا۔ نصف کے قریب چھوڑنا پڑا۔ یعنی قطع و برید سے مختصر کر دیا گیا۔ اب میں اپنے دوسرے دیوان کی ترتیب اور اپنے خالص ادبی و تنقیدی مضامین[1] کی ترتیب و اشاعت پر متوجہ ہو گیا ہوں۔ آنے والے موسم سرما میں نثر و نظم کے یہ دونوں مجموعے مرتب کر لینے کی امید رکھتا ہوں۔ اس کے بعد ان کی اشاعت کا انتظام دہلی ہی میں کروں گا، تنقیدی و ادبی مضامین کا مجموعہ شاید تین تین سو صفحے کی دو جلدوں میں مرتب ہو۔ تقطیع شرح غالب ہی کی ہو گی۔

انگریزی مجھے نہیں آتی۔ پہلے خط پر سرنامہ جس شخص سے لکھوایا تھا اسی نے رضا کو Raza زبر سے لکھ دیا ہو گا[2]۔ آر کے بعد آئی ہی درست ہے۔

---

[1] یہ آج تک شائع نہیں ہوئے۔

[2] میں نے استفسار کیا تھا کہ میر التخلص رضا بکسر اول ہونا چاہیے۔ یا بفتح اول۔ آپ کی طرف سے لفافے پر K.D. Gupta Raza لکھا ہوا تھا۔

یہاں اور دہلی میں آپ کی دعا سے سب مع الخیر ہیں۔ میری صحت عام طور پر اب دس مہینے سے اچھی چلی آتی ہے۔ کچھ تازہ افکار بھی لکھے دیتا ہوں۔ زیادہ اظہار محبت اور دعائیں۔

جوش ملسیانی

پیکٹ کل روانہ ہو چکے ہیں۔

مخمس[1]

وہی حالِ دلِ ناکامیاب اوّل سے آخر تک　　وہی دردِ حدیثِ اضطراب اوّل سے آخر تک
وہی ذکرِ جفا ذکرِ عتاب اوّل سے آخر تک　　"رہا پیشِ نظر حسرت کا باب اوّل سے آخر تک
پڑھی کس نے محبت کی کتاب اوّل سے آخر تک"

کہیں ہے ذکر جنت کا کہیں صحرائے اعظم کا　　کہیں پریوں کا قصہ ہے کہیں ابلیس و آدم کا
اڑایا مضحکہ کیسا مرے افسانۂ غم کا　　اشارہ تک نہ لکھا کوئی اس نے ربطِ باہم کا
بہت بے ربط ہے خط کا جواب اوّل سے آخر تک"

ہجومِ اہلِ دنیا سے نہ دم بھر مخلصی پائی　　کوئی ان میں شریکِ غم کوئی ان میں تماشائی
تماشا یہ کہ تنہائی میں بھی اک محفل آرائی　　"نہ میسر خاک ہونا زندگی میں لطفِ تنہائی
رہے دو دو فرشتے ہم رکاب اوّل سے آخر تک"

مرے دستِ تہی نے گنجِ زر پیدا کیا ایسا　　خزف نے سنگِ خارا نے گہر پیدا کیا ایسا
کمالِ بے کمالی نے ہنر پیدا کیا ایسا　　"غلط کوشی کی عادت نے اثر پیدا کیا ایسا

---

[1] یہ غزل استاذی قبلہ ہی کی ہے۔

غلط نکلا گناہوں کا حساب اوّل سے آخر تک"

کسی کو لے گئی بزمِ طرب کے بادہ خواروں میں — کسی کو تاج بر سر کر دیا سیمیں عذاروں میں
کسی کو اس نے پہنچایا ہے جنت کی بہاروں میں — "مجھے لے آئی ہے عمرِ رواں کن خارزاروں میں
ہوا ہے چاکِ دامانِ شباب اوّل سے آخر تک"

مصیبت بے دلی کی مختصر ہوتی تو کیا ہوتی — کوئی تدبیر اپنی کارگر ہوتی تو کیا ہوتی
معاون ڈھونڈنے والی نظر ہوتی تو کیا ہوتی — "اندھیرے میں تلاشِ دل اگر ہوتی تو کیا ہوتی
شبِ تاریک تھا دورِ شباب اوّل سے آخر تک"

سمجھتے ہیں وہ شیدائی تو اب کیوں مہر بر لب ہے — تری امید بر آئی تو اب کیوں مہر بر لب ہے
ہوئی جب بزم آرائی تو اب کیوں مہر بر لب ہے — "مجالِ گفتگو پائی تو اب کیوں مہر بر لب ہے
سنا دے او دلِ غفلت مآب اوّل سے آخر تک"

مسیحا کی مسیحائی بھی اب دردِ دروں نکلی — بہت کچھ حال پوچھا منہ سے ہاں نکلی نہ ہوں نکلی
تسلی نام ہے جس کا وہ آزارِ جنوں نکلی — "محبت وصل میں بھی دشمنِ صبر و سکوں نکلی
رہا دل میں وہی اک اضطراب اوّل سے آخر تک"

مزاج ان کا ہمیشہ مائلِ جور و جفا دیکھا — شعار ان کا ہمیشہ دشمنِ رسمِ وفا دیکھا
اثر کچھ بھی نہیں ہوتا یہ ہم نے بارہا دیکھا — "دہانِ زخم سے بھی جوشِ حالِ دل سنا دیکھا
نمک پاشی ہی تھا ان کا جواب اوّل سے آخر تک"

مخمس زبانی یادداشت سے لکھا ہے اس لئے بندوں کی ترتیب کچھ آگے پیچھے ہو گئی ہے۔ مثلاً آٹھواں بند شاید چوتھا یا تیسرا بند ہے۔ اسی طرح ساتواں بند شاید آٹھواں بند ہے۔ خیر۔

اشعار

کہیں آگ لگ نہ جائے مرے شعلۂ بیاں سے
جو گزر گئی ہے مجھ پر نہ سنو مری زباں سے

ترے غم میں سوزِ دل نے وہ شرر فشانیاں کیں
کہ اثر بھی جل گیا ہے مری گرمیِ فغاں سے

نہ بقا میں چین ہم کو نہ فنا سے انس ہم کو
کبھی آ گئے وہاں سے کبھی چل دیے یہاں سے

شبِ غم میں وہ قلق تھا کہ گلہ رہا سحر تک
کبھی ضبط سے فغاں کو کبھی ضبط کو فغاں سے

مرے دل نے اور پردے جو اٹھا دیے تو کیا ہے
ترا پردۂ جلالی نہ اُٹھے گا درمیاں سے

ترا حال جوشؔ سُن کر وہ کچھ اور مشتعل ہیں
یہ ملی ہے داد تجھ کو تری گرمیِ بیاں سے

نوحؔ ناروی کا ایک مطلع سنو۔
آمد ہے خزاں کی گلشن میں پژمردۂ غم ہر پتّا ہے
پھولوں کا مجھے افسوس نہیں کلیوں کا قلق البتّہ ہے
زحمتِ تحریر سے گھبراتا ہوں۔ اِس لئے قلم کو روک لیا ہے۔

فقط
جوشؔ ملسیانی

۴

نکودر۔ ضلع جالندھر۔ مشرقی پنجاب
۷، اپریل ۵۱ء

عزیز القدر گیتا زاد لطفہٗ

لفافہ پہنچا۔ کتاب بھیجنے کے بعد ایک لفافہ بھی ارسال کیا تھا۔ دیر تک جواب نہ آنے اور کتاب کی رسید نہ پہنچنے پر پھر ایک پوسٹ کارڈ ہوائی سروس میں ارسال کیا۔ جو دو ڈیڑھ ماہ کے بعد چار آنے کا بیرنگ بن کر واپس آیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پوسٹ بکس نمبر غلط لکھا گیا۔ صحیح نمبر تو یاد نہیں البتہ 5300 نمبر جو آپ نے اب لکھا ہے۔ نہیں تھا۔ کچھ اور تھا۔ جب خط پر نمبر غلط تھا تو پیکٹ پر بھی غلط ہوگا۔ مگر تعجب ہے کتاب تو پہنچ گئی اور خط دونوں نہ پہنچ سکے۔ آخری خط میں لکھا تھا کہ بھیجی ہوئی رقم میں سے اب ایک آنہ بقایا رہ گیا ہے۔

تازہ منی آرڈر جو آپ نے بھیجا ہوگا۔ یہاں پہنچ جائے گا مگر شرح غالب کی کوئی جلد میرے پاس نہیں رہی۔ دس مہینوں میں پورا اڈیشن (۱۲۵۰ جلد) نکل گیا۔ اب دہلی میں دوسرے اڈیشن کی کتابت ہو رہی ہے۔ اس میں کچھ اضافہ بھی کیا ہے آپ کو دو مہینے تو ضرور انتظار کرنا پڑے گا اور مجھے وصول ہونے والے منی آرڈر کی رقم اس وقت تک بطور امانت رکھنی پڑے گی۔ عرش کے کلام کا ایک حصہ ہفت رنگ کے نام سے شائع ہو گیا ہے۔ اسم با مسمّٰی ہے۔ یعنی کلام بھی سات حصوں میں منقسم ہے۔ اور حسن ظاہر بھی قوس قزح کے رنگوں کا تکلف رکھتا ہے۔ قیمت تین روپے۔ حجم

تقریباً ۲۰۰ صفحہ۔ ان کتب (شرح) کے ساتھ ہی وہ بھی ایک جلد ارسال کردوں گا۔ مطمئن رہیں۔ اپنا مجموعۂ کلام مکمّل طور پر مرتب کر کے دہلی بھیج چکا ہوں۔ کاغذ نہ فقط گراں تر ہو گیا ہے بلکہ نایاب بھی ہے۔ اس لئے تاخیر ہو رہی ہے۔ دوسرے میں یہ چاہتا ہوں کہ اسے خود چھپوانے کے بجائے کسی فرم کو رائلٹی پر دے دوں۔ اس کے متعلق بھی دہلی میں گفت گو ہو رہی ہے۔ شرح غالب کے جلد تر نکل جانے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ میں اس سال سے بی۔ اے کے پرچۂ اُردو کا ہیڈ ایگزامینر ہوں۔ ورنہ اُردو دشمنی کے اس دور میں پانچ روپے قیمت کی کتاب کا مشرقی پنجاب کی غیر ادبی فضا میں نکل جانا آسان نہیں تھا۔ کمال صاحب نادون[۱] سے سبکدوش ہو کر بنگہ ہندو[۲] ہائی اسکول میں انگلش ماسٹر کا کام کر رہے ہیں۔ ان پر نادون سے نکل کر دو شدید حادثے نازل ہوئے۔ ایک تو ان کی اہلیہ فوت ہو گئیں۔ دوسرے چھوٹا پوتا لاری یا کار کے پہیے کے نیچے آ گیا۔ اس کی ٹانگ پر شدید زخم آیا۔ اُسے اسپتال میں دیر تک داخل رکھا۔ اسی دوران میں خود ان کا گھٹنا جو پہلے ماؤف رہتا تھا، مضروب ہو گیا۔ اب معلوم نہیں کیا حال ہے۔ بچّے کی جان تو سنا ہے بچ گئی ہے مگر ٹانگ کا حال معلوم نہیں ہو سکا۔

میں مع متعلقین ہر طرح عافیت سے ہوں۔ آپ کی صحت و عافیت کا حال پڑھ کر مسرّت ہوئی۔ عزیزی عرش بھی دہلی میں خیریت سے ہیں اور رسالہ آج کل ہی کے انچارج ہیں۔ پچھلے لفافے میں آپ کے استفسارات کا جواب بھی غالباً لکھا تھا۔ اب مجھے کچھ یاد نہیں کہ کیا لکھا اور کس استفسار

۱۔ ضلع کانگڑہ۔ ہماچل پردیش کا ایک مشہور شہر جہاں کمال صاحب ایک ہائی اسکول میں ہیڈ ماسٹر تھے

۲۔ ضلع جالندھر کا ایک شہر۔

کے جواب میں لکھا۔

میرا نیا مسودہ ڈھائی سو صفحے کے قریب ہوگا۔ شاید دو ماہ تک وہ بھی نکل جائے۔ پانی کی ردیف میں ایک غزل کہی تھی۔ آپ کے حسب خواہش اس کے چار پانچ شعر یہاں درج کرتا ہوں۔ ؎

آگ ہے آگ تری تیغ ادا کا پانی
ایسے پانی کو میں ہرگز نہ کہوں گا پانی

نہ رہے آنکھ میں بھی دل سے نکل کر آنسو
جا بجا ان کو لئے پھرتا ہے دانا پانی

حال پوچھو نہ مرے گریۂ غم کا مجھ سے
اس کے کہنے سے بھی ہوتا ہے کلیجا پانی

کر دیا سب کو ترے تیرِ نظر نے سیراب
جس کے سینے پہ لگا اُس نے نہ مانگا پانی

ترکِ مے خانہ گوارا نہ کروں گا ہرگز
راس ہے میری طبیعت کو یہاں کا پانی

ضبطِ گریہ سے بڑھی اور مصیبت اے جوشؔ
دل یہ کہتا ہے کہ اب سر سے ہے اونچا پانی

بارہ تیرہ شعر کی غزل ہے اس وقت جتنے شعر یاد آئے، لکھ دیئے۔ کافی ہیں۔ یہ آج کل ہی میں برائے اشاعت بھیجی ہے۔ اس کی داد جوش ملیح آبادی نے اس طرح لکھی ہے۔

"آپ کی غزل چشمۂ کوثر کی طرح موجیں مارتی پہنچی اور ذوقِ شعری کو سیراب کر گئی۔"

دو ڈھائی مہینوں سے پنجاب شرقی و غربی میں ٹڈی دل بلائے ناگہانی کی طرح چھایا ہوا ہے۔ شرقی حصہ میں تو اب نسبتاً کم ہو گیا ہے مگر غربی پنجاب (پاکستان) میں اب ہر ایک ضلع کے لئے مصیبت بنا ہوا ہے پچھلی فصل شدید بارشوں نے تباہ کر دی تھی۔ اب تازہ فصل پر یہ آفت ٹوٹ رہی ہے۔ خدا خیر کرے۔

اپنے مسودہ میں اپنے کلام کو الوداع کے عنوان پر ایک نظم شامل کی ہے اس کے پہلے دو بند سن لیں ؎

اے عزیزان گرامی تم کو رخصت آج سے
شوق سے جاؤ جہاں چاہو اجازت آج سے
میں نہ اب سمجھوں گا تم کو اک امانت آج سے
چھوڑ دی اپنی بیاضوں کی حفاظت آج سے

گو مجھے احساس ہے ترکِ وفا کرتا ہوں میں
تم کو آغوشِ رفاقت سے جدا کرتا ہوں میں
لیکن اب بھی فرضِ الفت کا ادا کرتا ہوں میں
زندۂ جاوید رہنے کی دعا کرتا ہوں میں

زیادہ دعائیں۔

جوشؔ ملسیانی

۵

نکودر۔ ضلع جالندھر۔ مشرقی پنجاب

۱۲؍ جون ۱۹۵۱ء

اخلاص پرور عزیز القدر رضاؔ زاد لطفہٗ

مکتوبِ محبت پہنچا تھا۔ یونیورسٹی کے کام میں بُری طرح مصروف رہنے کی وجہ سے جلد تر جواب لکھنے کے لئے متوجہ نہ ہو سکا۔ اب اس جھنجھٹ سے فارغ ہو چکا ہوں۔ "پانی" کی ردیف میں میری غزل رسالہ آجکل دہلی میں شائع ہوئی تھی۔ جوشؔ ملیح آبادی چیف ایڈیٹر نے بھی اس غزل کی بہت کچھ داد علحدہ خط میں تحریر فرمائی تھی۔ اس کی پہلی سطر کچھ اس طرح تھی۔ "آپ کی غزل کوثر کی طرح موجیں مارتی ہوئی پہنچی اور دل و دماغ کو سیراب کر گئی۔"

عطوفی شفقؔ[1] صاحب کا حُسنِ ظن اُن کی فراخ دلی ہے۔ میری طرف سے عند الملاقات انھیں سلام شوق کہیں۔ ابھی شرح غالب کی کتابت ہی ختم ہوئی ہے۔ پروف دیکھنے کے لئے دلّی جا رہا ہوں۔ کاغذ کی شدید گرانی اور نایابی دونوں مل کر اس قدر تاخیر و تعویق کی موجب ہوئی ہیں۔ بارہ روپے کا منی آرڈر پہنچا تھا۔ رقم بہ مدِ امانت پڑی ہے۔ اس کے بعد خط و کتابت کے لئے بھی چھ روپے دس آنے پہنچے ہیں۔ عزیزی عرشؔ کا

۱۔ دی آنریبل مسٹر جسٹس جانی سنگھ جج ہائی کورٹ کینیا مشرقی افریقہ۔ کسی زمانے میں شعر بھی کہا کرتے تھے۔ اور شفقؔ تخلص کرتے تھے۔ میرے خاص الخاص دوستوں اور کرم فرماؤں میں ہیں۔

مجموعہ حصہ اول ہفت رنگ کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ شرح غالب کی طباعت و جلد بندی ختم ہونے پر ہفت رنگ یک جلد بھی ارسال کر دوں گا۔

"تم کو خبر نہیں مری دنیا کہاں یہ ہے"[1] کہاں کے بعد "یہ" محض حشو ہے۔ یہاں یہ۔ کہاں یہ۔ یہاں پر۔ کہاں پر۔ یہ "یہ" اور "پر" ایک مرض ہے جو وبا کی طرح پھیلتا جاتا ہے۔ لفظ دنیا بھی یہاں کھٹکتا ہے۔ منزل کہنے کا محل تھا۔

پنجابی اور ہندی کا جھگڑا افسوس ناک حد تک پھیل رہا ہے۔ اس کی بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ وزراء نے اپنی گدیاں برقرار رکھنے کے خیال سے یہ اعلان کر دیا کہ پنجابی زبان وہ ہے جو گورمکھی لپی میں لکھی جاتی ہے حالانکہ وہ اردو لپی۔ انگریزی (رومن) لپی۔ ہندی لپی۔ مہاجنی لپی (لنڈے) میں بھی لکھی جاتی ہے۔ اردو لپی میں یونیورسٹی پنجابی کے امتحان بھی لیتی رہی ہے۔ اور ان کا درجہ بھی وہی تھا۔ جو گیانی۔ پربھاکر وغیرہ کا تھا۔ اس لئے یہ کہنا سراسر غلط ہے کہ پنجابی صرف وہ ہے جو

---

[1] ایک مشاعرے کا مصرع طرح۔ میں نے کہاں کے بعد "یہ" کے متعلق دریافت کیا تھا۔ معلوم نہیں مصرع طرح کس کا ہے۔ مشاعرہ (چھبیس سال) پہلے شاید ڈیوک آف گلاسٹر اسکول۔ نیروبی کے ہال میں ہوا تھا۔ میری اس غزل کے دو شعر میرے پہلے مجموعۂ کلام "شعلۂ خاموش" میں صفحہ ۳۱۶ پر درج ہیں۔ قارئین کی دلچسپی کے لئے یہاں بھی لکھے دیتا ہوں ؎

وہ امتحانِ عشق میں ہوگا نہ کامیاب — بنیاد جس کے عشق کی وہم و گماں پہ ہے
تنکے جو آج خوف سے یوں کانپنے لگے — کیا برق کی نگاہ مرے آشیاں پہ ہے

گورمکھی لپی میں لکھی جائے۔

ایک غزل کے کچھ اشعار حسب الطلب ارسال کرتا ہوں۔ زیادہ خیریت۔

جوشؔ ملسیانی

بے سود ارادہ مقتل کا بے کار دعا مر جانے کی
موت اپنے وقت پر آئے گی بے وقت نہیں وہ آنے کی

ساون کی ہوا لائی ہے خبر گھن گھور گھٹا چھا جانے کی
مژدہ ہو تمہیں اے بادہ کشو رحمت نے سنی مے خانے کی

اک رنگ ہے اس میں عشرت کا اک رنگ ہے اس میں حسرت کا
کچھ ہنستی ہے کچھ روتی ہے تصویر مرے کاشانے کی

وحشت پہ مری حیراں ہو کر سب خاک بہ سر یہ کہتے ہیں
باتوں میں بھی خاک اُڑاتا ہے کیا بات ہے اس دیوانے کی

انجام بقا تو ظاہر ہے، انجامِ بقا پر بحث نہ کر
ہر سانس خبر دیتی ہے تجھے ہستی کے ہوا ہو جانے کی

جب غم کی راتیں کاٹی ہیں رو کر ہی سہی مر کر ہی سہی
دن حشر کا بھی کٹ جائے گا کچھ بات نہیں گھبرانے کی

ہر پاک نظر کے رستے میں ایسے بھی مقام آجاتے ہیں
خواہش ہو فرشتوں کو بھی جہاں دامانِ ہوس پھیلانے کی

دو تین شعر اور ہیں۔ مگر کاغذ کی تنگ دامانی سے مجبور ہوں۔

۶

نکودر۔ ضلع جالندھر
۱۶ جولائی ۱۹۵۱ء

اخلاص پرور بلکہ اخلاص پیکر عزیزی رضا زاد لطفہٗ

آنے کی۔ جانے کی۔ اس زمین میں جو اشعار بھیجے تھے۔ زبانی یادداشت سے لکھ دیے تھے۔ دو تین شعر اور تھے۔ کاغذ کی تنگ دامانی سدِّ راہ ہوئی۔ اب یاد نہیں۔ کہ وہ کون سے شعر تھے جو اس تنگ دامانی کی نذر ہوئے۔ ان کے متعلق آپ کا مطالبہ ناقابل تعمیل ہے۔

صرف مقطع لکھ دیتا ہوں ؎

اب پست ہوا معیارِ سخن اب سرد ہوا بازارِ سخن
اے جوشؔ کوئی تدبیر کرو اس محفل کو گرمانے کی

تازہ افکار بہ وجہ اشتدادِ موسمِ گرما کچھ نہیں۔ دل و دماغ پگھل رہے ہیں۔ صرف ایک شعر ہے وہی لکھے دیتا ہوں ؎

میرے حالِ زار کی تشخیص پر کہتے ہیں وہ
اس کو صحت یاب ہو جانے کی بیماری بھی ہے

"ہفت رنگ" تین جلدیں رجسٹری پیکٹ کے ذریعے ارسال کر دی ہیں۔ قیمت ساڑھے سات روپے ہے محصول ساڑھے دس آنہ۔ کل 8/2/6۔ ایک کتاب کس قیمت میں پہنچے گی یہ حساب خود لگالیں۔ شرح غالب کی طباعت ہو رہی ہے۔ ایک ماہ یعنی جولائی کے آخر تک یقین ہے کہ یہ کام بھی ختم ہو جائے گا۔ شاید اسی عرصے میں جلد بندی بھی ہو جائے۔ مطلوبہ تعداد

اگست میں ارسال کر سکوں گا۔

تین چار دن تک دلی جانے والا ہوں۔ آٹھ دس دن وہاں ضرور ٹھہروں گا۔ اگست سنہ ۵ء کے بعد اب وہاں جانے کا ارادہ کیا ہے۔ یہ تغافل بھی قابلِ داد ہے۔

کمال صاحب بنگہ ہی میں ہیں۔ مگر خطوط کا جواب لکھنے میں حد سے زیادہ تغافل شعار ہو چکے ہیں۔ اس کی وجہ تازہ حادثات کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے۔

استفسارات کا جواب:۔

ساقی[1]۔ فاعلن ہی درست ہے۔ مفعولن کی صورت میں ثقالت پیدا ہوتی ہے۔ مستعمل دونوں طرح ہے۔ مگر بہتر صورت یہ ہے۔ "آ گئی موجِ دلِ ساقیِ دریا دل میں۔"

حد۔ تشدید سے بھی لکھتے ہیں۔ مثلاً حدِّ نظر سے دور ہے ان کی حریمِ ناز کئی دو حرفی الفاظ اسی طرح آ جاتے ہیں۔ مثلاً

مرا برف بارید بر پرِّ زاغ (سعدی)

خوشتر آں باشد کہ سرِّ دلبراں

گفتہ آید در حدیثِ دیگراں

خمِّ کمند (تشدید) بھی مستند ہے۔ قدِّ رعنا۔ قدِ رعنا دونوں درست ہیں۔

جو دل کشتی ہے تو پانی ہے دنیا"۔[2] یہ دونوں شعر قطعہ کہے جائیں گے

---

[1] استفسار یہ تھا کہ ترکیبی صورت میں ساقیِ کو فاعلن کے وزن پر استعمال کیا جائے یا مفعول (مفعولن) کے وزن پر۔

[2] بعد میں ان اشعار کو غزل کی صورت دے دی تھی جو "شعلۂ خاموش" صفحہ ۱۷۹ پر دیکھے جا سکتے ہیں۔

قطعہ میں اگر رباعی کا وزن نہیں ہے۔ تو خواہ پہلے۔ دوسرے اور چوتھے مصرع میں قافیہ ہو خواہ صرف دوسرے اور چوتھے مصرع میں۔ مضمون مسلسل ہے تو۔ وہ دونوں صورتوں میں قطعہ ہے۔

غزل[1] دیکھی ترمیمیں یہ ہیں۔

مطلع
تخیلات پہ بھی اب وہ چھائے جاتے ہیں
دل و دماغ پہ قبضہ جمائے جاتے ہیں

دوسرا شعر:-
اُدھر نمود پہ آئی ہے ان کی شانِ جمال
ادھر جلال کے پردے گرائے جاتے ہیں

تیسرا شعر بحال۔

چوتھا شعر:-
جگر کے داغ جو چمکے بہار کہنے لگی
اسی طرح تو نئے گل کھلائے جاتے ہیں

پانچواں شعر:-
فغاں سے ہاتھ اُٹھا زندگی کو تلخ نہ کر
وہ راگ چھیڑ .. ..

چھٹا اور ساتواں شعر بحال:-

مقطع کا دوسرا مصرع:-
یہیں قرار کے سامان پائے جاتے ہیں

---

[1] میں نے علحدہ کاغذ پر لکھی تھی مگر آپ نے خط کے متن ہی میں شامل کر دی۔ اصل مصرع یا شعر اب یاد نہیں۔

اس مصرع میں آپ نے کافِ علت لکھا تھا۔ یہ فارسیت کی وجہ سے میں ترک کر چکا ہوں۔ وجہِ ترک بالخصوص یہ ہے کہ اُردو کی بول چال میں کہیں نہیں آتا۔ میں بھی مدت تک اس علت میں گرفتار رہا ہوں۔ مگر جہاں جہاں اسے استعمال کیا تھا ان تمام مقامات میں اب ترمیم کر دی ہے۔ حضرت نوح ناروی بھی اس ترک پر متفق ہو گئے ہیں۔ کافِ علت وہ ہوتا ہے جس کے معنی کیوں کہ ہوں۔ مثلاً

سیہ بختی میں کب کوئی کسی کا ساتھ دیتا ہے
کہ تاریکی میں سایہ بھی جدا رہتا ہے انساں سے

دوسرا مصرع یوں ہو سکتا تھا۔

اندھیرے میں تو سایہ بھی ۔۔۔۔ الخ

نثر کی مثالیں:۔ "میں وہاں نہیں جا سکوں گا کہ بیمار ہوں۔"

"میں کوئی امداد نہیں کر سکتا کہ خود طالبِ امداد ہوں۔"

جب اس طرح کوئی نہیں بولتا تو پھر یہ کاف نظم میں کیوں آئے۔

اُردو نظم میں فارسیت۔ اس عنوان پر ایک مضمون رسالہ آج کل دہلی میں میری طرف سے شائع ہوا ہے۔ اس میں ایسی ہی باتوں پر بحث کی گئی ہے۔

غزل میں وجہِ ترمیم خود ہی غور کر لیں۔ زحمتِ تحریر سے گھبراتا ہوں۔ اصل کاغذ پر وجہِ ترمیم درج ہو سکتی تھی۔ مگر اس فارم کے ساتھ وہ شامل نہیں ہو سکتا۔

زیادہ خیریت۔ والدۂ عرش کی طرف سے دُعائے درازیِ عمر۔

شفیق صاحب کے ادبی شوق کی داد دیتا ہوں۔

جوش ملسیانی

۷

نکودر۔ ضلع جالندھر۔ مشرقی پنجاب
۲۴ر جولائی ۱۹۵۱ء

اخلاص پرور عزیزی رضا صاحب زاد قدرہٗ

لفافہ پہنچا۔ یاد آوری کا شکریہ۔ عید الفطر ہے تو باعثِ توقیر ہے تو۔ افسوس ہے کہ اس مصرع کی ناموزونی کو آپ نے محسوس نہیں کیا۔ میں اسے افتادِ طبیعت ہی کہہ سکتا ہوں۔ عید۔ ال۔ فطر۔ اس طرح پڑھا جائے۔ تو تقطیع درست رہتی ہے۔ مگر صحیح تلفّظ عیدل فطر ہے۔ جو نہ فاعلاتن میں آتا ہے نہ فَعِلاتن میں۔ سخت تعجب ہے کہ آپ نے اسے فَعِلاتن میں کس طرح شمار کیا[۱]۔ اس کی جگہ مژدۂ عیش کہا جا سکتا تھا۔ اس بحر میں عید الفطر آ ہی نہیں سکتا۔ چوتھا استفسار ہے بندگی بہ معنی عبادت کے متعلق ۔ یہ معنی درست ہیں۔ بندگی بہ معنی عبادت بھی بیش تر آتا ہے۔ غالب کا یہ شعر بہ طور مثال کافی ہے۔

کیا وہ نمرود کی خدائی تھی
بندگی میں مرا بھلا نہ ہوا

یہاں بندگی کے معنی عبادت کے سوا اور کچھ نہیں۔
باقی تین شکوک میں سے پہلا استفسار کلمہ کے متعلق ہے۔ صحیح لفظ تو

۱؎ میں نے اسے ف ۔ ع ۔ لاتن میں شمار نہیں کیا تھا بلکہ فع ۔ لاتن کے وزن پر لکھا تھا مگر مصرع کے شروع میں تسکینِ اوسط کا یہ عمل درست نہ تھا۔

لام کی حرکت ہی سے ہے مگر اُردو والوں نے لام ساکن ہی سے ہر جگہ استعمال کیا ہے۔ ظفر کا یہ مصرع بطور مثال ہے۔ ع

وے کلمہ گویوں کی طرف سے ابھی ان کے دل میں غبار ہے[1]

سب آپ کا کلمہ پڑھتے ہیں۔ یہ فقرہ جب بھی کوئی بولتا ہے لام ساکن ہی سے بولتا ہے۔ اوپر کی مثال میں ظفر شاہ دہلی نے اس کے ساتھ فارسی ترکیب بھی ملا دی ہے۔ یعنی کلمہ گو۔

رمضان۔ یہ میم کے زبر ہی سے آتا ہے۔ اور یہی صورت صحیح و معتبر ہے۔ مثلاً حضرت داغ کا مصرع۔

رَمَضان تین دن کے بعد آیا (فریاد داغ)

---

[1] یہ مصرع مشہور غزل نما نظم "گئی یک بیک جو ہوا پلٹ نہیں میرے دل کو قرار ہے" سے ہے۔ ابرار احمد علوی (بہادر شاہ ظفر مطبوعہ ۱۹۳۵ء صـ۱۱۱) نے طرف کی جگہ سمت لکھا ہے۔ یہاں فرہنگ آصفیہ کی یہ عبارت قابل توجہ ہے "یہ لفظ (طرف) بہ فتح را ہے۔ بسکون را دونوں طرح فارسی اشعار میں موجود ہے مگر اُردو میں قانونی الفاظ کے سوا کہیں بسکون را نہیں پایا جاتا"۔ تاہم اشعار میں اور فنی خامیاں بھی موجود ہیں۔ نظم کے اندراج سے پہلے ابرار احمد علوی رقم طراز ہیں:۔ "اس دور مصیبت کی یادگار ایک نظم ہے جس کو ادا شناس ظفر کی تصنیف بتاتے ہیں۔ مذاقِ سقام کلام پر نظر کر کے بعض نکتہ رس اس کو حامی تخلص ایک غیر معروف شاعر کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اس دارو گیر کی گرم بازاری میں الفاظ کی نشست پر غور کرنے کا کس کو موقع تھا۔ دل کے جذبات تھے۔ جو زبان پر بے ساختہ آئے ...."

صاحب فرہنگ آصفیہ کا بیان کلیتہً درست نہیں۔ پہلے یہ لفظ اردو میں بھی دونوں طرح استعمال ہوتا رہا ہے۔ جیسے سودا کا یہ شعر ؎

نخل بے بار پڑے، سوکھی پڑی ہیں رو شیں
خاک اُڑتی ہے ہر اک طرف پڑے ہیں خس و خار

اس میں طرَف بسکون را ہے۔ چونکہ طرف بسکون را اور سمت دونوں ہم معنی اور ہم وزن ہیں۔ اسی لئے یہ اشتباہ باقی رہتا ہے کہ شاید شاعر نے سمت لکھا تھا۔ مگر کاتب نے طرف بنا دیا۔

ریاض خیر آبادی کا یہ شعر ؎

تیس دن اب رمضان کی مجھے کچھ فکر نہیں
میرے گھر آج خمِ بادۂ ناب آتا ہے

امیر مینائی ؎

غش انھیں روزۂ ماہِ رمضاں سے آیا

مفعول کے وزن پر اس کا تلفّظ غلط ہوگا۔

ماہ رمضاں میں نون کا اعلان فصیح نہیں اور میم کو ساکن کر دینا بھی نامعتبر ہے۔ جب ہلکی فضا ہوتی ہے۔ یہ ٹکڑا بھی بارِ گوش ہے۔ یا تو ہلکی ہوئی فضا ہوتی ہے۔ اس طرح کہو۔ یا جب فضا ہلکی ہوتی ہے۔ اس طرح کہو۔

دینی و علمی فضائل میں ہمہ گیر ہے تو

علمی کی ی تقطیع میں گرتی ہے۔ باقی رہا ہمہ کا تلفظ۔ یہ درست ہے۔ سعدی نے کریما میں یہ مصرع لکھا ہے۔ ع

ہمہ با ہوا و ہوس ساختی

اس کا تلفظ دونوں طرح جائز ہے۔

میں خیریت سے ہوں، عزیزی عرش بھی دہلی میں صحت و عافیت سے ہیں۔ دہلی میں یوم چکبست منایا جا رہا ہے۔ ۷ر ۸ر اگست تاریخیں مقرر ہیں۔ شامل ہوں گا۔ صحیح تو نہیں کہہ سکتا لیکن یہ مشاعرہ ۷ر اگست کی رات کو یا ۸ر اگست کی رات کو گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ براڈکاسٹ بھی ضرور ہوگا۔ شرح دیوانِ غالب فروری ۵۸ء میں خود ہی شائع کر دی تھی۔ شروع میں ۵۳ صفحے کے تبصرے ہیں۔ بڑے بڑے ادیبوں نے اس کتاب کی بہت تعریف کی ہے۔

اور زوردار اظہار رائے بھیجا ہے۔ اسی طرح بڑے بڑے معتبر ادبی رسالوں مخزن، ہمایوں، معارف، ہماری زبان میں اس کے متعلق بسیط ریویو شائع ہوئے ہیں۔ مخزن لاہور نے اسے ۱۹۵۰ء کی اہم تصنیف بتایا ہے۔ پروفیسروں اور روزانہ اخباروں اور معمولی رسالوں کے زوردار تبصروں کو میں چنداں وقعت بھی نہیں دیتا۔ بڑے سائز کی مجلّد کتاب ۴۵۰ صفحے کی ہے۔ میں نے کاغذ اور طباعت اور جلد وغیرہ پر بھی بخل سے کام نہیں لیا۔ چوں کہ کتاب بی۔ اے کے کورس میں بھی داخل ہے (یعنی دیوانِ غالب) اور تبصرے بھی انھیں باتوں پر میں نے لکھے ہیں جو اس امتحان میں غالب کے متعلق پوچھی جاتی ہیں، اس لئے کتاب بہ لحاظ فروخت کامیاب رہی۔

تازہ غزل:- بلائے غم سر سے کیا ٹلے گی، الم سے کب مخلصی ملے گی

غلط ہے اُمّید کا یہ کہنا، ابھی ملے گی ابھی ملے گی

نہیں ملے گا تو اک مجھی کو، خوشی کا مژدہ نہیں ملے گا

گلوں کو بھی دل کشی ملے گی، چمن کو بھی تازگی ملے گی

خدا کی رحمت کو پارسا اب، عذابِ دوزخ سمجھ رہے ہیں

انھیں گماں تک نہ تھا کہ جنّت، گناہ گاروں کو بھی ملے گی

سیاہی شامِ غم کا شکوہ، نہیں ہے راہ طلب میں واجب

یہی اندھیرا بنے گا رہبر، اسی سے کچھ روشنی ملے گی

عدم بھی عالم جمود کا ہے، نہ کوئی محفل نہ کوئی صحبت

ہمیں تو اب تک یہی یقیں تھا، کہ مرگ سے زندگی ملے گی

متاعِ حسنِ سخن کے جویا، کریں نہ تکلیف جستجو کچھ

کہیں یہ دولت گڑی نہ ہوگی، جہاں ملے گی پڑی ملے گی

خلوصِ الفت کی جوشؔ قیمت تمہیں جو اس وقت مل رہی ہے
کہیں بھی پوچھو یہی کہیں گے، کہیں بھی جاؤ یہی ملے گی

متفرق

یہی عہد کر لیا ہے نہ ہلوں گا اب یہاں سے
یہ ملا ہے درس مجھ کو ترے سنگِ آستاں سے

وہ غلط بھی کچھ کہیں گے تو وہی بجا رہے گا
جو نکل گیا زباں سے وہ نکل گیا زباں سے

کبھی آئی ہے چمن میں تو گیا ہے طوف اسی کا
رہی برق کو عقیدت مری شاخِ آشیاں سے

اُسی بے درد کو افسوس ہیں نے چارہ گر جانا
ہمیشہ میرے دردِ دل کو جس نے دردِ سر جانا
ادائے ناز ہی کے مختلف یہ دو کرشمے ہیں
ترا دل میں اُتر جانا مرا دل سے اُتر جانا
محبت کو ہم اک دریائے بے ساحل سمجھتے تھے
کنارہ اس کا گردابِ بلا میں ڈوب کر جانا

جوشؔ ملسیانی

۸

نکودر۔ ضلع جالندھر۔ مشرقی پنجاب
۷ اگست ۱۹۵۱ء

اخلاص پرور، عزیز القدر رضا زاد لطفہٗ

محبّت نامہ پہنچا تھا۔ حالاتِ صحت و عافیت سے اطمینان ہوا۔ حد بہ صورتِ اضافت مشدّد ہی مستعمل ہوتا ہے۔ البتّہ سرحد کو بہ صورتِ اضافت غیر مشدّد لکھتے ہیں۔ مثلاً ع

ہے پرے سرحدِ ادراک سے اپنا مسجود

ہفت رنگ کا رجسٹرڈ پیکٹ اُمید ہے پہنچ گیا ہوگا اور یہ کتاب پسند آئی ہوگی ؎

جو حدِّ غم کو جا دیکھے جو سہتا جائے چھاتی پر
نگہ ایسی کہاں میری جگر ایسا کہاں میرا

دو تین مقام محلِ نظر ہیں۔ حد کو جا دیکھنا کوئی بات نہ بنی۔ چھاتی پر کیا سہتا جائے۔ یہ بھی واضح نہ ہوا۔ پھر نگہ اور جگر میں کوئی خاص ربط نہیں۔ جگر کو ربط دل سے ہے۔ شعر یوں کہنا تھا ؎

جو کوہِ غم اُٹھا جائے جو غم کی چوٹ سہہ جائے
تواں اتنی کہاں مجھ میں جگر ایسا کہاں میرا

دلّی گیا تھا۔ آپ کا خط انھیں ایّام میں وہاں پہنچا تھا۔ مکان تبدیل کرنے کی وجہ سے شطرنج کی کاپی اور رسالہ شطرنج[1] دونوں ہی کتابوں کے ذخیرے میں نہیں پائے گئے۔ موسم گرما کی شدّت و حدّت نے سرسری تلاش ہی کی مہلت دی۔ ممکن ہے کہ مزید تلاش سے یہ چیزیں دست یاب ہو جائیں۔

---

[1] یہ شطرنج پر ایک مبسوط کتاب ہے۔ جس پر تقریظ عالی نے لکھی تھی۔ اُس وقت تو یہ نہ ملی مگر کچھ عرصہ پہلے (۱۹۷۴ء) برادرم عرشی کا ایک مضمون نظر سے گزرا۔ دیرینہ آرزو بر آئی۔ اور ۱۹۷۵ء میں یہ کتاب اُن سے منگوا کر مطالعہ کیا۔

مگر جب وقنا ربنا عذاب النار کا جملہ بار بار زبان پر آتا ہو تو اس عالم میں مزید جستجو کی زحمت کس طرح گوارا ہو سکتی تھی۔ آج کل نیں بیسیوں مضامین نظم و نثر جو اپنی نوعیت کے لحاظ سے قابلِ داد ہوتے ہیں عدم گنجائش کی وجہ سے واپس کرنے پڑتے ہیں۔ جو رکھ لئے جاتے ہیں اُن کے چھپنے کی باری بھی پانچ پانچ چھ چھ مہینے کی تاخیر چاہتی ہے۔ میں نے فروری میں جو غزل بھیجی تھی وہ اگست نمبر میں شاملِ اشاعت ہو سکی ہے۔

دلّی سے واپس آکر امرت سر کے مشاعرے میں شامل ہونا پڑا۔ دو تین دن خوب رونق رہی اب میں ہوں اور وہی نکودر کی غیر ادبی فضائیں۔ گھر میں آپ کی دُعا سے ہر طرح خیریت ہے۔ میرے مجموعۂ کلام کی کتابت نصف کے قریب ہو چکی ہے اور شرح غالب[1] اب تمام ابتدائی منزلیں طے کر کے پریس میں ہے۔ امید ہے کہ اگست ہی میں یہ کام بھی اور اس کے بعد جلد بندی کا کام بھی ختم ہو چکے گا۔

دو تین سال سے پنجاب مشرقی میں اگر کوئی مشاعرہ منعقد ہوتا ہے تو اس کی نوعیت ہمیشہ یہی ہوتی ہے کہ ہندی، پنجابی، اور دو تینوں زبانوں کے شعراء کو بلایا جاتا ہے۔

اپنا مسودۂ کلام پریس کے سپرد کر کے تازہ افکار سے کچھ بے نیاز سا ہو گیا ہوں۔ پچھلے پانچ مہینوں میں صرف ایک ہی غزل پانی کی ردیف میں کہی ہے جو مجموعۂ مذکور میں شامل نہیں۔ ارادہ ہے کہ ممکن ہو تو اسے شامل کر دوں۔ طبیعت کا یہ جمود زیادہ تر عام جمودی دور کی وجہ سے ہے

---

[1] دوسرا ایڈیشن

اُردو دشمنی مشرقی پنجاب میں خاص طور پر بد ذوقی کی مرتکب نظر آ رہی ہے
ایک غزل اگلے صفحے پر لکھ رہا ہوں۔ یہ غزل بھی ہے اور نظم بھی۔ برسات کا
موسم اس کی شانِ نزول ہے۔ فقط

جوشؔ ملسیانی

جام پر جام لنڈھاتے ہوئے بادل آئے
پینے والوں کو پلاتے ہوئے بادل آئے

رہ گئی بزمِ جہاں چشمِ تماشا بن کر
کس قدر دھوم مچاتے ہوئے بادل آئے

جم گئی بزمِ طرب ساز ہے فطرت کا درست
تان پر تان اُڑاتے ہوئے بادل آئے

برق وش کون ہے وہ جس کا ہے پردہ منظور
ایک محمل سا بناتے ہوئے بادل آئے

زندگی ہر تنِ بے جاں کو ہوئی ہے حاصل
اپنا اعجاز دکھاتے ہوئے بادل آئے

کس تکلّف سے کیا بزمِ طرب کا ساماں
فرش مخمل کا بچھاتے ہوئے بادل آئے

کیا مرے دستِ جنوں کا ہے انھیں بھی شکوہ
چاک دامن کا دکھاتے ہوئے بادل آئے

رحمتِ خاص کا اعلان پھر اِس زور کے ساتھ
آسماں سر پہ اُٹھاتے ہوئے بادل آئے

واہ کیا جوشِ کرم ہے کہ خزانہ اپنا
دونوں ہاتھوں سے لُٹاتے ہوئے بادل آئے

اس زمین میں حضرت امیر مینائی کا ایک شعر بھی قابلِ ذکر ہے۔ فرماتے ہیں ؎

توبہ کرنی تھی کہ بوچھار ملامت کی ہوئی
خوب ہی مجھ پہ برستے ہوئے بادل آئے

یہ وہی غزل ہے جس کا یہ مقطع غیر فانی حیثیت میں مشہور ہو چکا ہے ؎

پھینک دوں کاٹ کے جڑ نخلِ تمنا کی امیر
پھول کم بخت میں آئے نہ کبھی پھل آئے

منظور[1] صاحب اور شفیق صاحب کے حسنِ ظن کا شکریہ۔ ہر دو اصحاب کی خدمت میں مخلصانہ سلامِ شوق۔

جوش ملسیانی

۹

نکودر۔ ضلع جالندھر۔ مشرقی پنجاب
۹ اکتوبر ۱۹۵۱ء

اخلاص پرور
کتابوں کا پیکٹ ۴ جولائی ۱۹۵۱ء کو یہاں سے رجسٹرڈ روانہ کیا تھا۔

---

[1] میرے دوست منظور رحید صاحب بڑے صاحبِ ذوق تھے۔ اب پاکستان میں ہیں۔

رسید ڈاک خانہ اب تک محفوظ ہے۔ تعجّب ہے کہ وہ اب تک کیوں نہ پہنچا۔ آج مقامی ڈاک خانے میں شکایت پیش کر دی ہے۔ مگر وہ بے چارے بھی فارورڈ کرنے کے سوا اس دور دراز مقام کی کیا تحقیقات کریں گے۔ یہاں کی رسید کا نمبر ۱۰۹ ہے۔

میں خیریت سے ہوں۔ آپ کی غزل[۱] دیکھی۔ ترمیم یہ ہے۔
پہلا شعر بحال۔
دوسرا شعر:۔

ہر تمنّا داغِ دل ہر شوق حسرت بن گیا
کس قدر دھوکے دیئے ہیں .. ..

تیسرا شعر خارج
چوتھا۔ مصرع اوّل

کیا قیامت ہیں مری آہوں کی آتش باریاں
دور تک آئی بلا بھی .. ..

پانچواں مصرع اوّل

میری شمعِ دل بھی اب بے نور آتی ہے نظر
کیا یہ پھیلادی .. ..

چھٹا شعر مصرع اوّل

زندگی ٹوٹا ہوا پیمانہ بن کر رہ گئی
قطرہ قطرہ .. ..

---

[۱] ترامیم خط ہی کا حصّہ ہیں۔

ساتواں شعر:-

بیش تر تو زندگی گزری خیالِ خام میں
جو رہی باقی اسے چرکے دیئے آلام نے

آٹھواں نواں شعر بحال:-

مقطع۔ مت متروک۔ اُٹھتے گام غیر فصیح۔ کوئی اور قافیہ لے کر مقطع کہئے۔

ایک تازہ غزل بھیجتا ہوں۔

زیادہ خیریت
جوش ملسیانی

مصرع طرح حسب الطلب بھیجتا ہوں۔

اب مرا جینا بہت دشوار ہے
آزار وغیرہ قافیہ

اب آپ کا بقایا میرے پاس 6/ 7/ روپیہ ہے۔ تین جلد ہفت رنگ مصنفہ عرش ارسال کی تھیں۔ پیکٹ رجسٹرڈ تھا۔

امید کا سہارا کچھ ہے بھی کچھ نہیں بھی
دردِ نہاں کا چارا کچھ ہے بھی کچھ نہیں بھی

پردہ ہے ایک جلوہ، جلوہ ہے ایک پردہ
تو سب پہ آشکارا کچھ ہے بھی کچھ نہیں بھی

یہ کیا دو رنگیاں ہیں اے گلشنِ محبت
دل کش ترا نظارا کچھ ہے بھی کچھ نہیں بھی

کنجِ عدم میں بھی ہے طوفانِ حشر سر پر
محفوظ سا یہ کنارا کچھ ہے بھی کچھ نہیں بھی

صبطِ فغاں کا دعویٰ اے جوشؔ کیا کروں میں
دل پر مرا اجارا کچھ ہے بھی کچھ نہیں بھی

۱۰

نکودر۔ ضلع جالندھر۔ مشرقی پنجاب

۱۰۔ ۱۲۔ ۱۹۵۱ء

اخلاص پرور رعنا صاحب زاد لطفہٗ

لفافہ پہنچا۔ یاد آوری کا شکریہ۔ کمال صاحب بنگہ ہی میں ہیں۔ پبلک ہندو ہائی اسکول میں سینئر انگلش ٹیچر ہیں۔ ٹانڈہ گورنمنٹ کالج کے مشاعرے میں شامل ہوئے تھے۔ میں وہاں صدارت کی بیگار میں گیا تھا۔

تین جلد شرح دیوان غالب دوسرا ایڈیشن اور ایک جلد بادۂ سرجوش دو پیکٹوں کی صورت میں سمندری ڈاک کے ذریعے ارسال کر رہا ہوں۔ میرا نیا مجموعہ بدستور کھٹائی میں پڑا ہے۔

منشی گلاب سنگھ فرم کو میں اور عرشؔ بار بار متوجہ کر رہے ہیں مگر وہ ٹس سے مس نہیں ہوتے۔ کتابت کا تمام خرچ وہ ادا کر چکے ہیں۔ اب صورتِ حال یہ ہے کہ ہم بھی پھنس گئے ہیں اور وہ بھی پھنس گئے ہیں۔ احباب اور عزیز تقاضے پر تقاضہ کر رہے ہیں۔ مگر مجبور ہوں۔ اخیر جنوری میں الٰہ آباد کی انجمن "سفینۂ ادب" کا سالانہ مشاعرہ ہو رہا ہے۔ اس کے سرپرست حضرت نوحؔ ناروی ہیں۔ انھوں نے صدارت کے لئے میرا نام تجویز فرما دیا ہے۔ وہ اس میں چند اور شاگردانِ داغؔ کو بھی شامل کرنے

کی کوشش کریں گے۔ کوئی اور صاحب ہوتے تو اتنے لمبے سفر اور اس شدید موسم میں سفر کرنے سے ضرور انکار کر دیتا مگر حضرت نوح کی طرف سے دعوت نامہ آئے تو انکار مشکل ہے۔ اس لئے بہ شرط صحت جاؤں گا۔

۳ر ۴ر نومبر کو سری نگر (کشمیر) میں اسمبلی بن جانے کی خوشی منائی گئی۔ ان تقریبوں میں دو دن مشاعرہ بھی ہوا۔ جوش ملیح آبادی۔ ایس، عرش، محروم۔ جگن ناتھ آزاد، پنڈت ہری چند اختر، فراق گورکھپوری مجاز لکھنوی، پروفیسر جذبی از علی گڑھ، یہ سب شعراء دہلی کے ہوائی اڈے سے ہوائی سفر کے ذریعے وہاں شامل ہوئے۔ مشاعرہ دونوں تاریخوں میں کامیاب رہا۔ اوقاتِ فرصت میں نزدیک نزدیک کی سیر بھی کی۔

ارسال کردہ کتب کی قیمت محصول ڈاک سمیت ساڑھے سولہ روپئے ہے۔ اب میرے پاس آپ کے پچیس روپے کے قریب بمد امانت ہیں۔ منی آرڈر پہنچ گیا تھا۔ خط میں دیر ہو جانے کی وجہ صرف یہی ہے کہ میں ہنوز اپنے مسودہ کی طباعت کا منتظر ہوں۔ چوں کہ میں بی اے کے پرچہ اُردو کا ہیڈ اگزامینر بھی ہوں اس لئے سپلیمنٹری امتحان کی وجہ سے اکتوبر اکتوبر یعنی پورا ایک مہینہ عدیم الفرصت بھی رہا۔

بادۂ سرجوش کی ایک جلد اتفاقیہ طور پر زائد مل گئی۔ ورنہ اس کا بھیجنا دشوار تھا۔ عزیزی عرش کی کوئی اور کتاب ابھی تک شائع نہیں ہوئی۔

کشمیر میں جو طرحی غزل میں نے پڑھی۔ اس کے تین چار شعر یہ ہیں۔

بے نیازِ رنگ و بو ہو کر چمن کی سیر کر
فصلِ گل آئی تو کیا دورِ خزاں آیا تو کیا

جب وفائیں جرم ہیں نالہ بھی گستاخی سہی
اور اک الزام اے دردِ نہاں آیا تو کیا
پینے والوں ہی میں ذوقِ مے کشی باقی نہیں
جامِ مے گردش میں اے پیرِ مغاں آیا تو کیا
جب گنہ گاروں کو دوزخ ہی میں جلنا ہے ضرور
ابرِ رحمت کاروانِ در کارواں آیا تو کیا

ایک عجیب وغریب زمین میں ایک غزل کہی ہے۔ دو شعر اس کے بھی سن لو۔

مختاریوں میں شامل مجبوریاں بھی کر دیں
ہم پر کرم تمہارا کچھ ہے بھی کچھ نہیں بھی
دل میں لحاظِ ساقی سر میں خیالِ توبہ
پینا مجھے گوارا کچھ ہے بھی کچھ نہیں بھی
اب التفات اُن کا مشکوک ہو رہا ہے
وہ لطف وہ مدارا کچھ ہے بھی کچھ نہیں بھی

آپ کی دعاؤں سے گھر میں ہر طرح خیریت ہے۔ زیادہ اظہارِ خلوص۔

جوشؔ ملسیانی

۱۱

نکودر۔ ضلع جالندھر۔ مشرقی پنجاب
۲۸ر دسمبر ۱۹۵۱ء

عزیز القدر رضا زاد لطفہٗ

مکتوب محبت پہنچا۔ حالاتِ عافیت سے اطمینان ہوا۔ کمال صاحب ہیں تو بنگہ ہی میں مگر خطوط کا جواب دینے میں غیر معمولی طور پر تساہل شعار ہیں۔ کم سن بچّوں کی نگہداشت بھی شاید انھیں تساہلی پر مجبور کرتی ہو۔

میرا مجموعۂ کلام اب یقینی طور پر طباعت کی منزل میں ہے۔ چھپے ہوئے اوراق کے پروف قسط وار دیکھ رہا ہوں۔ امید ہے کہ جنوری جنوری میں منظرِ عام پر آجائے گا۔ اس کا نام میں نے جنون و ہوش تجویز کیا ہے۔ شاید پہلے یہ لکھ چکا ہوں کہ پاکستان کا ایک رسالہ طوفان اپنا خاص نمبر "جوش ملسیانی نمبر"[۱] کے نام سے نکال رہا ہے۔ مجھ سے اس نمبر کے لئے جو کچھ اُس نے طلب کیا ہے ارسال کر چکا ہوں۔ صرف اپنا بلاک بھیجنا باقی ہے۔ مجھے یہ معلوم نہیں کہ آیا نیروبی میں اس کا وی۔ پی پاکستان سے جاری ہو کر حسب قانون پہنچ سکے گا یا نہیں۔

لالہ نانک چند ناز گرنتھ صاحب سے اُن اشعار کو جو فارسی میں ہیں بہت پھیلا پھیلا کر اردو نظم کا جامہ پہنا رہے ہیں۔ اس کی اصلاح اُجرت پر اُنھوں نے میرے ذمے لگائی ہے۔ آج کل اسی کام میں مصروف ہوں۔ شاید سات آٹھ سو اشعار کا مجموعہ ہو گا۔ ابھی تک پونے پانچ سو اشعار میرے پاس قسط وار پہنچے ہیں۔

الٰہ آباد کے مشاعرے کی تاریخ ابھی نہیں پہنچی میرا خیال ہے کہ

---

[۱] معلوم نہیں یہ نمبر نکلا تھا کہ نہیں۔

جنوری جنوری ملکی انتخاب کی سرگرمیاں ہوں گی اس لئے فروری ہی میں کوئی تاریخ تجویز کر سکیں گے۔ اگر ایسا ہوا تو موسم بھی معتدل ہو جائے گا۔

ٹانڈہ میں وہی غزل میں نے بھی پڑھی تھی۔ جس کی ردیف کچھ ہے بھی کچھ نہیں بھی ہے اور جس کے دوچار اشعار روانہ کر چکا ہوں۔

مشاعرہ کا صحیح تلفظ مفاعلہ۔ مشاہدہ وغیرہ کے وزن پر ہے۔

مناظرہ بھی اسی قبیل سے ہے۔ عروض میں اس کا وزن مفاعلن ہوگا۔

فعولن فعولن (سالم بحر) میں ایک مصرع فعول پر ختم ہو۔ تو یہ جائز ہے۔ مگر مغائرت کی وجہ سے میں نے اس قسم کی عروضی رعایت سے کبھی فائدہ نہیں اُٹھایا۔ اسی قسم کی بعض اور مراعات بھی ہیں۔ مثلاً

قفس کو جانتے ہیں ہم تو آشیاں اپنا

اس زمین میں یہ مصرع بھی بہ لحاظ عروض صحیح ہے "سوائے آتش ہے کون ہم زباں اپنا" یا۔ "اے سیر تر انان جویں خوش نہ نماید"

اس بحر میں سعدی کا یہ مصرع۔ حوران بہشتی را دوزخ بود اعراف۔

آپ نے ایک جگہ برائے مہربانی لکھا ہے۔ یہ بھی غلط ہے۔ براہ مہربانی لکھنا چاہیئے۔

مت۔ بالاتفاق متروک ہے۔ فصحائے متاخرین استعمال نہیں کرتے۔ نے حرف نفی بھی بوجہ فارسیت قابل ترک اور بلاشبہ متروک ہے۔ دونوں کی جگہ نہ جس کی آواز صرف نون متحرک کی ہے، بولتے ہیں۔ فصحا کی زبان پر بول چال میں بھی مت جانا کی جگہ نہ جانا مستعمل ہے۔ گویا یہی صورت

ٹکسالی ہے۔

چاہت۔ وصلت۔ زنگت میں تے زائد اور قابلِ ترک ہے۔ چاہت میں تو وہ بالکل قبیح ہے کیوں کہ چاہ ہندی لغت ہے۔ اس کے ساتھ تے بہ قاعدہ فارسی ہرگز نہیں آ سکتی۔ زائد کا سوال تو الگ رہا۔ صرف چاہ کا مفہوم وہی ہے۔

فضا۔ ف کے زبر سے ہے۔ سند لغات کے سوا اور نہیں ہو سکتی۔

افکارِ تازہ کچھ نہیں۔ تاہم ایک کہی ہوئی غزل کے تین چار شعر لکھے دیتا ہوں

خواب سمجھو خیال راحت کا
زندگی نام ہے مصیبت کا

اُنس ہم کو نہیں گناہوں سے
امتحاں کر رہے ہیں رحمت کا

خود نمائی تو اس کی ہے فطرت
حُسن بھوکا نہیں ہے شہرت کا

آدمی ہیں شمار سے باہر
قحط ہے پھر بھی آدمیت کا

زیادہ دُعائیں۔

جوش ملسیانی

۱۲

نکودر۔ ضلع جالندھر۔ مشرقی پنجاب

۱۵ر فروری ۱۹۵۲ء

عزیز القدر

لفافہ پہنچا تھا۔ دو ہفتے سے بیمار ہوں۔ اس لئے استفار پر توجہ نہیں کر سکا۔ کمر بند میں درد رہتا ہے۔ شاید عمر کا تقاضا ہو۔ اب بھی ایک تہائی کے قریب بقایا ہے۔

میرا مجموعۂ کلام ابھی تک پریس ہی میں ہے۔ مطبوعہ پروف تو اخیر تک دیکھ چکا اور واپس بھیج چکا ہوں۔ مگر ابھی دلّی سے کوئی اطلاع اس امر کے متعلق نہیں پہنچی کہ اب وہ کس منزل میں ہے۔

الہٰ آباد کا مشاعرہ حضرت نوحؔ ناروی کی شدید علالت کی وجہ سے ملتوی ہو گیا۔ ابھی تک موصوف صاحب فراش ہیں۔ گو مرض سے افاقہ ہو چکا ہے۔ مگر نقاہت شدید قسم کی ہے۔ امید ہے کہ تم ہر طرح عافیت سے ہو گے۔

انتخابات اب ختم ہیں۔ پنجاب میں کانگریس کی کامیابی موہوم تھی مگر مقامِ حیرت ہے کہ یہاں اسے دوسرے صوبوں سے زیادہ نشستیں بہ حساب اوسط مل گئی ہیں یعنی ۱۲۶ میں سے ۹۸۔ فرقہ وارانہ ووٹ مانگنے والے بُری طرح لُڑھک گئے ہیں۔ اکالیوں کو صرف ۱۴ نشستیں مل سکی ہیں۔ اور

ﺳﻪ؎ استاذی قبلہ کو پورا یقین تھا کہ عمر سو سال کو پہنچے گی۔ اسی لئے ۶۸ سال کی عمر میں بھی وثوق سے لکھ دیا کہ "اب بھی ایک تہائی کے قریب باقی ہے"۔

کوئی خاص بات قابلِ ذکر نہیں۔

اپنے ایک عزیز شاگرد سرشار سیلانی کا ایک شعر یہاں لکھتا ہوں۔
کیا خوب کہا ہے ؎

کچھ اِس انداز سے فرمار ہے ہیں فکرِ دوزخ کا
کہ جیسے حضرتِ واعظ وہیں کے رہنے والے ہیں

زیادہ دُعا۔

جوش ملسیانی

۱۳

نکودر۔ ضلع جالندھر۔ مشرقی پنجاب
۱۰۔۴۔۱۹۵۲ء

عزیز القدر

غزل دیر سے اصلاح ہو چکی تھی۔ میں تین چار ہفتے سفر ہی میں رہا اِس لئے ڈاک کا کام رُکا رہا۔ زیادہ خیریت۔

مجموعہ ابھی مطبع ہی میں ہے۔ جلد بندی شروع ہونے والی ہے نام جنون و ہوش رکھا گیا ہے۔

جوش ملسیانی

۱۴

نکودر
۳ر جون ۵۲ء

عزیز القدر گپتا زاد لطفہٗ

مضطرؔ صاحب کے لئے جو کاغذ اس خط کے ساتھ لف ہیں وہ اُن کے سپرد کر دیں۔ میں آپ کی دعا سے مع الخیر ہوں۔ جنون و ہوش کی جلد بندی شروع ہوئی ہے۔ بقول داغؔ۔

بڑوں کی بات جو کچھ ہے بڑی ہے

یہ سلوک ہے منشی گلاب سنگھ اینڈ سنز کے مطبع کا ادبیات کے ساتھ۔ ڈیڑھ سال ہونے کو آیا۔ اب یہ جلد بندی شاید ۵۲ء کے اخیر میں ختم ہو۔

وطن مالوف کی طرف آنے کا ارادہ کب تک ہے۔

زیادہ دُعائیں۔

جوشؔ ملسیانی

لہ سردار محمد مضطرؔ نکودر کے قریب آلووال ڈھیریاں کے رہنے والے تھے۔ نیروبی میں رہتے تھے۔ کسی زمانے میں استاذی قبلہ سے مکتبی تعلیم پائی تھی۔ استاذی قبلہ کو غزل براہ راست اصلاح کے لئے بھیجی تھی۔ مگر آپ نے میرے ذریعے سے واپس بھیجی۔ مقصد یہ تھا کہ میرے وہاں ہوتے مشرقی افریقہ میں مقیم شاعروں کی اصلاح کا کام میرے ذمے رہے۔ ایسا دو تین اور شاعروں نے بھی کیا تھا۔ مگر قبلہ نے انھیں بھی یہی مشورہ دیا تھا چونکہ عموماً کلام کی تقطیع تک درست نہیں ہوتی تھی اس لئے استاذی قبلہ کے لئے ایسی اصلاح بے حد باعث زحمت ہوتی۔ ورنہ اس زمانے میں میں خود بھی فارغ الاصلاح نہیں تھا۔ بلکہ آج تک نہیں ہوں۔ اصلاحِ سخن کبھی مکمل نہیں ہوتی۔

۱۵

نکودر۔ ضلع جالندھر
۱۰ر جولائی ۵۲ء

عزیز القدر

اشعار ضروری اصلاح اور ہدایات تحریر کرنے کے بعد واپس ارسال کرتا ہوں۔ طوفان کا خاص نمبر ابھی نہیں نکلا۔ غالباً نکلے گا۔ جنون و ہوش شائع ہو گئی ہے مگر پبلشر نے صرف دو جلدیں دی ہیں۔ ایک عرشؔ نے رکھ لی ہے اور ایک میرے پاس بھیج دی ہے۔ میں کوشش کر رہا ہوں کہ ایک صد جلدیں قیمتاً طلب کروں۔ اگر آ گئیں تو ان میں سے تین چار جلدیں ڈاک کے ذریعے ارسال کر دوں گا۔ اس پبلشر کی کتابیں ریلوے بک اسٹالوں پر بکتی رہتی ہیں مشرقی پنجاب کے ریلوے بک اسٹالوں کا ٹھیکہ اس کے پاس ہے۔ ضرورت مند وہاں سے خرید سکیں گے۔ رائلٹی ۲۵ فی صدی ملتی رہے گی۔

میں نے سمجھا تھا کہ لینے کو سفینہ آ گیا

میرا یہ مصرع تم نے غلط لکھ دیا۔ اصل مصرع یوں ہے۔ ع

میں یہ سمجھا اک سفینہ آ گیا میرے لیے

لالہ جگن ناتھ کمالؔ کا پتا مجھے معلوم نہیں۔ اتنا معلوم ہے کہ وہ بنگہ میں نہیں ہیں۔ استعفا دے گئے ہیں۔ ہدایات و اشارات پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ وجہ اصلاح کو سمجھنے کے بغیر اصلاح مفید ثابت نہیں ہوا کرتی۔ افکار تازہ کچھ نہیں۔ لکھوں تو کیا لکھوں۔ دعائے درازیٔ عمر پر

اکتفا کرتا ہوں۔

جوش ملسیانی

۱۶

نکودر۔ ضلع جالندھر۔ مشرقی پنجاب
۲۶ ر ستمبر ۱۹۵۲ء

عزیز القدر زاد لطفہٗ

غزلیات بعد اصلاح پیکٹ کے اندر ایک کتاب میں رکھ دی ہیں۔ پانچ جلدیں جنون و ہوش رجسٹری پیکٹ (بحری ڈاک) کے ذریعے ارسال کر رہا ہوں۔ کتابیں صرف بیس ۲۰ ہی آئی تھیں اس لئے مطلوبہ تعداد سے ایک جلد کم ارسال کر رہا ہوں۔ حسب ضرورت آپ پھر طلب کر سکتے ہیں۔ شرح غالب کا تیسرا ایڈیشن پریس میں زیر مشق ہے۔ اس لئے اس کی مطلوبہ جلدیں ابھی ارسال نہیں کر سکا۔ امید ہے کہ ایک مہینے تک یہ ایڈیشن مطبع سے باہر آ جائے گا۔ پانچ جلد جنون و ہوش کی قیمت محصول ڈاک سمیت بیس ۲۰ روپے ہے۔ اب بقایا میرے پاس صرف ۱۳ آنے ہے۔

انڈو پاکستان مشاعرہ پھر دہلی میں زیر تجویز ہے۔ اخیر اکتوبر یا شروع نومبر ۱۹۵۲ء میں ہوگا۔ ہائی کمشنر[۱] صاحب کے حسن ظن کا ممنون ہوں۔ میری طرف سے موصوف کو

---

(۱) نواب صدیق علی خاں کینیا میں پاکستان کی طرف سے سفیر تھے۔ فرشتہ خصلت اور ہر دلعزیز انسان تھے۔ ان کی بیگم شاعرہ تھیں۔ شعر و سخن کی بدولت دونوں ہی مجھ پر بڑی شفقت فرماتے تھے۔ انھیں سفیر سے زیادہ شریف کہنا چاہیے۔ ہندوستان کے سفیر مشرقی افریقہ جناب آپا صاحب پنت[۲] سے بھی نواب صاحب کا بہت میل جول تھا۔ ان دو کے وہاں ہوتے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ہندوستان اور پاکستان اب بھی ایک ہی ملک ہیں۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

سلام شوق کہہ دیں۔

۱۹۵۴ء میں اِدھر آنے کا ارادہ اور ابھی سے یہ استفسار کہ کیا کچھ منگوانا ہے۔ مجھے تو یہ بھی معلوم نہیں کہ وہاں سے کون کون سی سی چیز طلب کئے جانے کے قابل ہے۔ لکھوں تو کیا لکھوں۔ آپ کی مرضی اور احساسِ خدمت گزاری ہی پر یہ بات چھوڑ سکتا ہوں۔ گھر میں ہر طرح خیریت ہے۔ میری صحت بھی اچھی ہے۔ عزیزی عرشی دس بارہ دن کے لئے آئے تھے۔ اب دہلی میں ہیں۔

ایک غزل بہت اچھی تھی۔ مگر دوسری محنت برباد گنہ لازم کی مصداق تھی۔ ایسی چیز کو درست کرنا نئی غزل کہنے سے بھی دشوار ہے۔ کمال صاحب بنگہ سے مستعفی ہو گئے ہیں۔ اور اب کرتا پور ہی میں ہیں۔ معلوم نہیں کہ اب ان کا ذریعۂ معاش کیا ہے۔

چند شعر سنو۔

اک مسیحا دم پہ ہم مرتے رہے
زندگی کا حق ادا کرتے رہے
جو مسیحائی کا دم بھرتے رہے
وہ بھی ان کے حُسن پر مرتے رہے

(سلسلۂ ماسبق) یاد آیا بیگم صدیق علی خان کا نام نامی خورشید آرا بیگم اور تخلص خورشید تھا۔ انھوں نے اپنے دستخط کے ساتھ کلام اقبال مکمل سیٹ بطور انعام مجھے دیا تھا۔ ایک نظم بھی اپنے ہاتھ سے لکھ کر دی تھی۔ دو شعر یاد آتے ہیں ؎

نہ بہکیں قدم اے مسافر سنبھلنا
کہ طوفاں ہے اور دل ترا ناتواں ہے
تجلائے عشرت شبستاں شبستاں
تمنائے خوباں جہاں در جہاں ہے

آہ کی، نالے کئے، فریاد کی
ہم سے جو کچھ ہو سکا کرتے رہے
دل میں رکھ کر قسم بازنی کی اُمید
مرنے والے عمر بھر مرتے رہے
دل ہمارا غم سے کب خالی ہوا
اپنا بھرنا رات دن بھرتے رہے
شکوہ کیسا اُس تلوّن کیش کا
شکر کرتے بھی تو ہم ڈرتے رہے

ایک شعر اور
وہ جھلک اپنی دکھا کر خود بھی پنہاں ہو گئے
اور مجھ کو بھی مری نظروں سے پنہاں کر دیا
زیادہ دُعائیں۔

جوش ملسیانی

۱۷

نکودر۔ ضلع جالندھر۔ مشرقی پنجاب
۱۸ ردسمبر ۱۹۵۲ء

عزیز القدر زاد لطفہٗ

بہت دیر کے بعد یاد آوری باعثِ مسرّت ہوئی۔ جنون و ہوش مزید ۵ بجری ڈاک (رجسٹری پیکیٹ) کے ذریعہ ارسال کرتا ہوں۔ بقیمت

بیس روپے ہے۔ محصول ڈاک اسی میں شامل ہے۔ دیوانِ غالب مع شرح تھوڑے دنوں تک تین چار جلد ارسال کروں گا۔ میرے پاس ذخیرہ ختم ہے۔ تیسرا ایڈیشن چل رہا ہے۔ یہ ۲۴۰۰ چھاپا گیا ہے۔ مگر کاغذ اچھا نہیں مل سکا۔ یہ ایڈیشن میں نے آتما رام اینڈ سنز تاجران کتب دہلی۔ کشمیری دروازہ کو رائلٹی پر دے دیا ہے۔ ذخیرہ ختم ہو جانے کی وجہ یہی ہے اب وہی فروخت کر رہے ہیں۔ تاہم جالندھر جاؤں گا تو تین چار جلد اُن کی جالندھر برانچ سے لے آؤں گا۔ جنون و ہوش ادیب فاضل کے تیسرے پرچے میں سلیبس کے طور پر منظور ہو گئی ہے۔

انڈو پاکستان مشاعرہ ۱۵-۱۶ نومبر کو کامیاب رہا۔ عندلیب شادانی ڈھاکہ سے، قتیل شفائی لاہور سے، سید جعفری (مزاحیہ گو) کراچی سے آئے تھے۔ دو اصحاب نہیں آ سکے۔ اِدھر سے میں، جگر مرادآبادی، محروم، جوش ملیح آبادی، سراج لکھنوی، قدیر لکھنوی اور دہلی کے کئی اچھا کہنے والے شاعر شامل ہوئے۔ داخلہ پاس کے ذریعہ تھا۔ پنڈت نہرو بھی دو ڈھائی گھنٹے سنتے رہے۔ نواب رام پور بھی آئے تھے۔ ڈاکٹر کاٹجو ہوم منسٹر ایک نشست میں صدر تھے۔

یہ نہ لکھا۔ کہ امتحان کون سا دیا ہے۔
میں نے پہلے دن جو غزل پڑھی۔ اس کے تین چار شعر یہ ہیں۔

دلِ بے تاب سے زنداں میں یہ کہنا ہی پڑتا ہے
جہاں کا آب و دانہ ہو وہاں رہنا ہی پڑتا ہے

رضائے دوست کی پروا نہ کرتے اہلِ دل کب تک
جدھر دھارے کا رخ ہو اُس طرف بہنا ہی پڑتا ہے
ملیں بھی وہ تو دل ان کا مزاج اُن کا نہیں ملتا
مجھے منزل پہ گرمِ جستجو رہنا ہی پڑتا ہے
کسی کے سامنے ضبطِ محبت کی چلے کیوں کر
خموشی کی زباں سے کچھ نہ کچھ کہنا ہی پڑتا ہے
طبیعت میں تو اب اے جوشِ ذوقِ مے نہیں اُٹھتی[1]
مگر بادل اُٹھے تو واشربو کہنا ہی پڑتا ہے

ایک رباعی

اپنوں کے لہو میں ہاتھ دھو سکتا ہے
گرداب میں قوم کو ڈبو سکتا ہے
انساں سے کہہ رہا ہے جلادِ فلک
تجھ سا ظالم بھی کوئی ہو سکتا ہے

منی آرڈر /۱۱/۹۴ روپے کا پہنچ گیا تھا۔
عزیزی عرش اور ان کی والدہ دہلی میں خیریت سے ہیں۔
جنون و ہوش میں جو کاغذ لگایا گیا ہے۔ کاغذ کی مشکلات اور نایابی کا اندازہ کیا جائے تو یہ کاغذ بسا غنیمت ہے۔ دیوان غالب کا تیسرا ایڈیشن

---

[1] یہ دراصل باقی تھا۔ سہواً اُٹھی لکھا گیا۔ توجہ دلانے پر دوسرے خط میں اس کی تصحیح کر دی گئی تھی۔

کاغذ نہ ملنے کی وجہ سے کئی مہینے مطبع میں رکا رہا۔ آخر مجبور ہو کر اخباری کاغذ لگانا پڑا (نیوز پیپر) باقی رہی کتابت۔ جہاں تک میرا خیال ہے۔ غلطیاں شاذ و نادر ہیں۔ یہ کہنا کہ اغلاط زیادہ ہیں۔ درست نہیں۔ میں نے مسودہ (پروف) غور سے دیکھے تھے۔ پنڈت ہری چند اختر سے مقدمہ عزیزی عرش ہی نے لکھوایا ہے۔ ان کا خیال تھا کہ حضرت نوح کا نقد و تبصرہ پرانی طرز کا ہوگا۔ بڑے بڑے بلند پایہ رسالوں میں ریویو نکل چکے ہیں۔ مثلاً شاعر آگرہ جواب بمبئی سے نکلتا ہے۔ نگار لکھنؤ۔ معارف اعظم گڑھ۔ حنا ور ڈھاکہ، الحمراء لاہور۔ (یہ اب مخزن لاہور کا جانشین ہے۔ سٹاف وہی ہے) "آجکل" میں جگن ناتھ آزاد کے قلم سے تین صفحے نکلے ہیں۔ شاید ماہ فروری میں کراچی میں پھر ایک مشاعرہ ہوگا۔ شامل ہونے کے لئے سید جعفری زبانی پیغام لائے تھے۔ ارکان مشاعرہ نے لکھا تھا کہ "پچھلے مشاعرے میں نہیں شامل ہوئے، اس دفعہ کوئی عذر نہیں سنا جائے گا۔ "پچھلے مشاعرے میں عرش۔ آزاد، ہری چند اختر، جوش ملیح آبادی شامل ہوئے تھے۔"

الٰہ آباد میں انھیں ایام میں مشاعرہ ہوگا۔ وہاں سے بھی حضرت نوح نے صدارت کا پیغام اصرار کے ساتھ بھیجا ہے۔ شاید دونوں جگہ جاؤں۔ اور کوئی بات قابلِ ذکر نہیں۔ زیادہ دعائیں۔

جوشؔ ملسیانی

اس کا مفصل ذکر آگے کے خطوں میں آئے گا۔

مجھ کو کی جگہ مجھے[1]

اِس قسم کے اعتراض پر سخت تعجب ہے۔ حال آنکہ دونوں فصیح ہیں۔ مثالیں سیکڑوں کی تعداد میں مل سکتی ہیں۔ مجھ کو کی ردیف میں بیسیوں غزلیات موجود ہیں۔ ان اشعار کو دیکھیں۔

اِس اعتراض کا تو مطلب یہ ہوا کہ اُس کو کی جگہ اُسے۔ تم کو۔ کی جگہ تمہیں۔ ہم کو کی جگہ ہمیں۔ اُن کو کی جگہ انھیں ہی لکھنا چاہیے۔

غالب ع   کوئی مجھ کو یہ تو سمجھا دو کہ سمجھائیں گے کیا

"   مارا دیارِ غیر میں مجھ کو وطن سے دور
رکھ لی خدا نے آج مری بے کسی کی شرم

ذوق ع   مجھ کو شربت میں مزہ آیا مئے انگور کا (دیوان کی دوسری غزل ہے)

داغ ع   عرصۂ حشر میں اللہ کرے گم مجھ کو۔ پوری غزل اسی ردیف میں ہے۔

"۔   مجھ کو یہ مصرع بہت آیا پسند   آموں کی تعریف

امیر مینائی ع ۔صورتِ غنچہ کہاں تابِ تکلّم مجھ کو۔ چار غزلیں اسی ردیف میں ہیں۔

" "۔حشر کے روز نہ ہو تشنہ دہانی مجھ کو   دو غزلیں اسی ردیف میں ہیں

" "۔غربت میں وطن یاد دلاتی نہیں مجھ کو   " " " "

---

[1] ایک صاحب تھے فضل الحق آزر لدھیانوی شاید مولانا فیاض ہریانوی کے شاگرد تھے۔ شعر اچھا کہتے تھے۔ گھڑی سازی کا کام کرتے تھے۔ دو تین سال نیر دہلی میں قیام رہا تھا۔ استاذی قبلہ کا ایک مطلع ہے ؎

محبت میں دونوں کو لطف آتا رہا
مجھ کو دل، میں دل کو سمجھاتا رہا

آزر صاحب کا اعتراض تھا کہ مجھکو فصیح نہیں، مجھے کہنا چاہیے۔ خط کا یہ حصہ اسی اعتراض کا جواب ہے۔ آزر صاحب اب پاکستان میں ہیں۔

حال کے شعراء

نوح :- وہ فرماتے ہیں مجھ کو دیکھ کر بیں تو نہ مانوں گا ..... الخ

" شب غم ہے یہی غم اے دلِ اندوہ گیں مجھ کو۔ پوری غزل اسی ردیف میں

جلیل۔ اِدھر صیّاد کا کھٹکا اُدھر فکرِ خزاں مجھ کو " " " "

" ہے یہ امّید رسولِ دوسرا سے مجھ کو " " " "

مہر گوالیاری۔ جب نکلتی ہوئی دیکھی نہ تمنّا کوئی
حسرت آئی دلِ ناکام یہ کیا کیا مجھ کو

پوری غزل اسی ردیف میں ہے

بے خود۔ کس طرح کروں ترکِ وفا مجھ کو یہ ڈر ہے
بدنام نہ ہو جائے کہیں نامِ محبت

" دیکھئے ہوتا ہے کیا اغیار کی محفل میں آج
شوق ان کو لے چلا مجھ کو مقدر لے چلا

" اس کی محفل میں دلِ بے تاب و مضطر لے چلا
یہ فرشتہ موت کا مجھ کو پکڑ کر لے چلا

داغ ؎ روکنا دل کو کہ شوقِ زلفِ دلبر لے چلا
تھامنا مجھ کو کہ یہ سودا مرا سر لے چلا

ہوتی ہیں انور پیکر برسات کی گھٹائیں[۱]
کون نہیں جانتا اور اِس حقیقت سے کس کو انکار ہو سکتا ہے کہ برسات

---

[۱] میں نے دریافت کیا تھا کہ گھٹاؤں کو نور پیکر کہنا کہاں تک درست ہے۔

کی گھٹاؤں کو دیکھ کر سب کی آنکھوں میں اور سب کے چہروں پر مسرت کا نور دوڑ جاتا ہے۔ اسی سے ان گھٹاؤں کا نور بیکر ہونا ثابت ہے۔ مثال بھی سن لو۔ آغا شاعر دہلوی ؎

نور برسا وہ گھٹا چھا گئی گلزاروں پر
اے تری شان یہ رحمت ہے گنہ گاروں پر

ہجر:- دیکھ کر اس کو زمانہ ہو گیا ہے شادکام
نور برساتی ہوئی آئی گھٹا برسات کی

۱۸

نکودر۔ ضلع جالندھر۔ مشرقی پنجاب
۲۷ر دسمبر ۱۹۵۲ء

عزیز القدر

جالندھر سے دیوان غالب کی صرف تین جلدیں مل سکیں۔ رجسٹری پیکٹ میں بحری ڈاک کے ذریعے آج ارسال کر دی ہیں۔ اب آپ کا حساب /2/17 باقی ہے۔ ان سہ کتب کی قیمت -/-/12 روپے وضع کر لینے کے بعد یہ بقایا ہے جو اوپر لکھ دیا ہے۔

امید ہے کہ آپ ہر طرح صحت و عافیت سے ہوں گے۔ رسالہ نگار لکھنؤ کا داغ نمبر نکلنے والا ہے۔ ایک مضمون مجھ سے بھی طلب کیا تھا۔ بھیج چکا ہوں۔ میرا پہلا خط پہنچا ہو گا۔ اس میں استفسارات کا جواب اور اصلاح کردہ اشعار شامل تھے۔ میں اور متعلقین ہر طرح صحت و عافیت

سے ہیں۔ اور کوئی خاص بات قابلِ ذکر نہیں۔ نیروبی کے جغرافیائی حالات بھی لکھیں۔ مثلاً آبادی، رونق۔ کاروبار۔ مصنوعات۔ آبادی کی تقسیم، مختلف قومیتیں۔ پرانی آبادی (حبشی) اور اس کے حالات متعلقہ تہذیب۔ سمندر سے فاصلہ، آب وہوا۔ بارش۔ ذرائع سفر، دیگر پیداوار، نرخ نامہ وغیرہ۔

فروری میں شاید کراچی ایک مشاعرہ ہو اور چند شعراء کے ساتھ مجھے بھی جانا پڑے۔ پچھلی دفعہ تو انکار ہی کر دیا تھا۔

چند اشعار

عہد و پیماں پہ اعتبار کسے
ہم سمجھتے ہیں ان کی ہاں بھی نہیں

کیوں کیا دَیر سے حرم کا سفر
تو وہاں یہ بھی نہ تھا یہاں بھی نہیں

جس چمن میں تھا آشیاں اپنا
اب وہاں خاکِ آشیاں بھی نہیں

تیرا دیدار گو نہیں ارزاں
جان و دل کے عوض گراں بھی نہیں

صحرا سے اے جنوں مجھے انکار تو نہیں
لیکن اگر وہاں بھی گزارا نہ ہو سکا

میرا یہ شعر جوش ملیح آبادی بار ہا عرش کو سنا چکے ہیں۔ انھیں

یہ بہت پسند ہے۔ فقط

جوشؔ ملسیانی

۱۹

نکودر۔ ضلع جالندھر

۲۶ر جنوری ۱۹۵۳ء

عزیز القدر

جوابات یہ ہیں۔

۱۔ میں نے استاذی قبلہ کے ۱۸ر دسمبر ۱۹۵۲ء کے خط (نمبر ۱۷) کے جواب میں ایک طویل خط لکھا جس میں جنونؔ و ہوش میں طباعت کی بہت سی غلطیوں کی نشان دہی کی گئی تھی۔ چونکہ خط اہم تھا اس لیے اس کی ایک نقل میں نے رکھ لی تھی۔ چند اقتباس یہاں درج کیے جاتے ہیں تاکہ قارئین پورے طور پر لطف اندوز ہو سکیں۔

"مجھے آپکے خط میں یہ پڑھ کر بڑی حیرانی ہوئی کہ جنونؔ و ہوش میں طباعت کی غلطیاں شاذ و نادر ہیں۔ میں اس خط کے ساتھ ایک فہرست طباعت کی غلطیوں کی بھیجتا ہوں۔ اس سے آپ اندازہ کر سکیں گے کہ اغلاط کس قدر ہیں۔ یہ صرف حصۂ نظم ہی سے چُنی گئی ہیں۔ بیشتر لفظ اور متروکات نہیں دیکھے۔ دو صد صفحات میں سے ایک ہی نظر میں ستّر کے قریب غلطیاں نکل آنا مطبع کے لیے ہرگز فخر کی بات نہیں۔ واضح ہو کہ حذفِ اضافت کی غلطیاں شمار نہیں کی گئیں ....."

پوری فہرست کا لکھنا تو بے کار ہوگا تاہم کتابت اور طباعت کی غلطیوں کا اندازہ مندرجہ ذیل مثالوں سے لگایا جا سکتا ہے۔ ص ۵۳، ساتواں شعر مصرع ثانی میں دیوانے کی لکھا ہے۔ کاشانے کی ہونا چاہیے تھا۔ ص ۹۲ نیاز و نیاز کی جگہ نیاز و ناز ہونا چاہیے۔ ص ۹۷ زمانے کی ہوا اور کی جگہ زمانے کی ہوا کیا ہونا چاہیے۔ ص ۱۸۵ پانا تو مشکل نہیں کی جگہ پانا تو کچھ مشکل نہیں، ص ۲۱۲ موج ہے کا تقاضا یہ ہے۔ کی جگہ ... اشارا یہ ہے، ص ۲۱۴ عشق و الفت کے فسانے کی جگہ عشق و الفت کے زمانے چاہیے تھا وغیرہ وغیرہ (باقی اگلے صفحے پر)

۱۔ دل کے ٹکڑے تو اڑا ئے تیغِ حسن کر گیا چھلنی کلیجا تیرِ عشق

پہلا مصرع دراصل یوں ہے۔ دل کے ٹکڑے تو اُڑاے تیغِ حسن۔ اُڑائے نہ پڑھیں۔ باقی رہی یہ بات کہ ایک تیرِ عشق کلیجے کو زخمی تو کر سکتا ہے چھلنی کس طرح کر سکتا ہے۔ واضح ہو کہ محبوب کی ایک ہی نظر دل، جگر، روح، زندگی، راحت، آرام و آسائش وغیرہ سب کو مجروح کر دیتی ہے۔ کیا یہ اتنے اثرات ایک ہی تیر کے نہیں ہیں۔ تیر کو لکڑی یا لوہے کا تیر سمجھ کر

(حاشیہ گزشتہ سے پیوستہ) علاوہ ازیں چند مصرعوں پر بھی مجھے شک تھا۔ ان شکوک کو بھی رفع کروا یا گیا تھا:۔

" صلا۱۲۴ دل کے ٹکڑے تو اڑائے تیغِ حسن

کرگیا چھلنی کلیجہ تیرِ عشق

(۱) مصرعِ اوّل شاید۔۔۔ تو اُڑاے۔۔۔ کہا ہوگا۔ (ب) عشق کا تیر زخمی تو کر سکتا ہے مگر چھلنی نہیں کر سکتا۔

: راہِ کرم وضاحت فرمائیے۔

(۲) صلا۱۴۶ "کچھ شوق دل ستاں دلِ خانہ خراب کا" خانہ خراب کی ترکیب خانا خراب پڑھی جاتی ہے یہاں ہائے ہوز کو الف کیوں بنایا گیا ہے؟

(۳) صلا۱۹۸ " بارِ فاقہ سے ہرئی ایک ایک پل مجھ کو گراں"۔ آپ نے یہاں پل کو مونث باندھا ہے۔ کیا یہ درست ہے؟

(۴) صلا۲۲۹ "آپ اتنے کیوں ہوئے سرکار گرم" یو پی کے ایک صاحب فرماتے ہیں کہ سرکار کا استعمال یوپی کے اہلِ زبان اس طرح نہیں کرتے۔ براہِ مہربانی سندیں تحریر فرمائیں۔

(۵) آپ نے ایک تازہ غزل کا (جو جنون و ہوش میں شامل نہیں) مقطع یوں لکھا تھا ؎

طبیعت میں تو اب اے جوشِ ذوقِ مے نہیں اُٹھی

مگر بادل اُٹھے تو واللہ پو کہنا ہی پڑتا ہے

(باقی اگلے صفحے پر)

یہ شک پیدا کر لیا گیا ہے۔

۲۔ کچھ شوقِ دل ستاں دل خانہ خراب کا۔ دل ستاں کی جگہ جاں ستاں میں نے کہا ہے۔ آپ نے غلطی سے دل ستاں لکھ کر لفظ دل کی تکرار پیدا کر دی۔ خانہ خراب کا تلفّظ اسی طرح آتا ہے۔ ہ کی تخفیف بہت ہی کم آتی ہے۔ مثلاً مٹّی خراب ہے دلِ خانہ خراب کی

اس کے گھر لے چلا مجھے دیکھو

دل خانہ خراب کی باتیں (ذوق)

۳۔ بارِ فاقہ سے ہوئی ایک ایک پل مجھ کو گراں۔ پل کو مذکّر میں نے فصحاء کے کلام میں نہیں دیکھا۔ پنجابی میں مذکّر بولتے ہیں۔

۴۔ طبیعت میں تو اب اے جوشِ ذوقِ مے نہیں اُٹھتی۔ تعجب ہے کہ میں نے باقی کی جگہ اُٹھی کس طرح لکھ دیا۔

۵۔ آپ اتنے کیوں ہوئے سرکار گرم۔ سرکار کے متعلق بےخود دہلوی کا ایک مطلع سنو ؎

(حاشیہ گزشتہ سے پیوستہ) کیا مصرع اوّل درست ہے؟

(۶) یہ محض زبان سے ناواقفیت کی غماز نہیں ہے (آل احمد سرور)

مگر عام طور پر اُن کا ادبی معیار قابلِ اطمینان نہیں ہے (")

آرزو کرنا آئینِ عبودیت کے خلاف نہیں ہے (غالب)

شاعری میں مرزا کسی کے شاگرد نہیں ہیں (جوشؔ ملسیانی)

اگر مندرجہ بالا فقروں کے آخری ہے یا ہیں کاٹ دیئے جائیں تو کیا مطلب پورا نہیں ہوتا؟ اگر ہوتا ہے تو انھیں حشو سمجھ کر ترک کیوں نہیں کیا جاتا؟ ماما

کرم میں بدگمانی آپ کو سرکار کیسی ہے
دلِ بیمار کی پُرسش یہ سو سو بار کیسی ہے

اس مطلع کو سُن کر یہ کہنا کہ سرکار یو پی میں اس طرح نہیں بولتے۔ درست نہیں۔

۶۔ نہیں کے بعد ہے آنا چاہیئے یا نہیں۔ اس عنوان پر میں ایک واضح مضمون شائع کر چکا ہوں۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہے فعل ہے۔ نہیں حرفِ نفی ہے۔ جملہ فعل کے بغیر پورا نہیں ہوتا۔ اس لئے نہیں ہے۔ صحیح ہے۔ مگر کثرتِ استعمال سے بعض جگہ ہے محذوف ہو جاتا ہے۔ جہاں محذوف ہو، وہاں خود ہے لگا کر ہم جملہ پورا کرتے اور مفہوم کو ذہن نشین کرتے ہیں۔ البتہ بعض محل ایسے بھی ہیں جہاں ہے نہیں بولا جاتا۔ مثلاً مجھے تو یہ معلوم نہیں کہ وہ کب گیا۔ ذوق

نہ پوچھو کہ دل شاد ہے یا حزیں ہے
نہیں یہ بھی معلوم ہے یا نہیں ہے

ذوق نے ایک جگہ ہے کو اُڑا دیا ہے۔ اور ایک جگہ شامل کیا ہے یہ دونوں صورتیں برمحل ہیں۔ نہیں ہے کی ردیف میں تمام استادوں کی غزلیات موجود ہیں۔ اگرچہ صرف نہیں کی ردیفیں بھی ہیں۔ مگر ان میں ہے کو محذوف ماننا پڑتا ہے۔ ایک ہی استاد کے کلام میں یہ دونوں صورتیں نظر آئیں گی۔

ہوتی ہیں نور پیکر برسات کی گھٹائیں

نور پیکر کا جواب شاید لکھ چکا ہوں۔ دہلی کے ایک مشہور شاعر کا یہ مصرع بطور سند کافی ہے۔

نور برسا وہ گھٹا چھا گئی گلزاروں پر۔

کتابت کی غلطیوں کی فہرست دیکھ کر بڑا تعجّب ہوا۔ میں نے پروف خود دیکھے تھے۔ اضافت یا نقطے چھوڑ دینے کی غلطیاں تو نا قابلِ توجہ ہیں۔ پڑھنے والا خود بھی سمجھ سکتا ہے۔ باقی اغلاط ضرور میرے لئے قابلِ تعجب ہیں۔ مگراب یہ لا علاج ہیں۔

ایک عالم تُو عطا کر اے کریم

اِس مصرع میں تو نہیں ہے۔ تُو ہی برمحل ہے۔ تو سے مصرع دوسرے مصرع سے مربوط نہیں ہوتا۔ کیونکہ لفظ ایک پر زور دینے کی ضرورت ہے۔ جب ایک کو زور سے پڑھنا پڑتا ہے تو پھر تُو عطا کر ہی کہنا پڑے گا۔

مدِّ فاضل (صفحہ ۱۵۲) اس کی جگہ حدِّ فاصل درست نہیں مدِّ فاضل درست ہے۔ ہر اک موجِ مے کا تقاضا یہ ہے۔ اس کی جگہ اشارا فی الواقع درست ہے۔

ادبی کُتب جالندھر اور لدھیانہ میں نہیں مل سکتیں۔ دہلی جاؤں گا تو کچھ ضروری کتب تلاش کروں گا۔ اگر کہو تو نوح صاحب کا تیسرا دیوان اعجازِ نوح (جس کے پہلے ۱۰۰ صفحے نثر میں اور بہت ہی مفید ہیں) بھجوا دوں۔ قیمت چھ روپے بڑی تقطیع۔ ضخامت پانچ سو صفحہ کے قریب۔ وی پی تو شاید افریقہ کے لئے جاری نہ ہو گا۔ میں آپ کے حساب میں سے قیمت اور ڈاک خرچ انھیں بھیج دوں گا۔

زیادہ دُعائیں

جوشؔ ملسیانی

۲۰

نکودر۔ ضلع جالندھر۔ مشرقی پنجاب
۵ر مارچ ۱۹۵۳ء
عزیز القدر

اعجازِ سخن دو جلد کے لئے حضرت نوحؔ کی خدمت میں خط لکھ دیا ہے مگر حساب اُنھوں نے اب تک نہیں بھیجا۔ آج دوسرا خط وہاں لکھ رہا ہوں۔ کوئی دل ٹوٹا تو آئی یہ صدا۔ آئی کی جگہ نکلی پڑھنا چاہیئے۔ آئی کا مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آواز غیب سے آئی۔ مگر میرا مقصد یہ ہے کہ ٹوٹتے وقت یہ آواز نکلی۔

امتحان میں اچھّی طرح کام یاب ہو جانے سے مسرّت ہوئی۔ یہ نہیں لکھا کہ اس امتحان سے کیا مقصد ہے۔

اشعار ضروری ترمیم و اصلاح کے بعد واپس کرتا ہوں۔ کہیں کہیں ضروری اشارات بھی لکھ دیئے ہیں۔ نیروبی پوسٹ بکس 5577 میں ایک صاحب جگندر پال[1] ہیں۔ انھوں نے ہفت رنگ مصنّفہ عرشؔ کی دس جلدیں منگوائی ہیں۔ بھیج چکی ہیں۔ یہ صاحب کتب فروش تو غالباً نہیں ہیں۔ کتابیں شاید احباب کے لئے منگوائی ہوں۔ تین ہفتوں سے دردِ سر میں مبتلا ہوں اس لئے تازہ افکار کچھ نہیں۔ صرف ایک شعر لکھتا ہوں۔ کمال صاحب اب کرتارپور آریہ ہائی سکول میں کام کرتے ہیں۔ ان

---

[1] جانے پہچانے افسانہ نویس۔ نیروبی میں مدت تک قیام رہا۔

کا لڑکا بی۔ ایس۔ سی ہو کر ٹریننگ کالج میں داخل ہو گیا ہے۔ مجھے بھی
کوئی خط نہیں لکھتے۔

تازہ شعر:۔

غم بھی ترا ہی غم ہے خوشی بھی تری خوشی
دونوں میں ایک بھی تو ہمارا نہ ہو سکا

زیادہ دُعا۔

جوشؔ ملسیانی

نیروبی کی مصنوعات اور جغرافیائی حالات بھی لکھیں۔

شری جگندر پال صاحب ملیں تو اُن سے کہیں کہ کتابوں کی قیمت
جو اُنھوں نے بھیجی ہے۔ وہ پہنچ گئی ہے۔ شکریہ۔

۳۱

نکودر۔ ضلع جالندھر۔ مشرقی پنجاب
۳۰ر مارچ ۱۹۵۳ء

اخلاص نواز عزیزی رضا زاد قدرہٗ

محبّت نامہ میں جو اشعار تھے اگرچہ تعداد میں زیادہ تھے۔ پھر بھی اُنھیں اپنی فرصت کے اوقات میں قسط وار دیکھا۔ اب واپس بھیج رہا ہوں۔ ضروری اشارات کہیں کہیں لکھ دیئے ہیں۔ اعجازِ نوح دو جلد کی قیمت وہاں بھیج دی تھی۔ اب آپ کے حساب میں سوا تین

رُوپے میرے پاس باقی ہیں۔

چربی شترمرغ اگر جوڑوں وغیرہ کے درد کے لئے شیر کی چربی سے بھی زیادہ اثر رکھتی ہے تو آپ پارسل کے ذریعے بھیج دیں۔ حکیم سے بھی میں نے پوچھ لیا ہے۔ اور مخزنِ ادویہ میں بھی اس کے اوصاف دیکھ لئے ہیں۔

مقامی حالات اخباروں میں پڑھتا رہا ہوں۔ مگر تازہ خبروں سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت موثر قسم کے چھاپے مارے جا رہے ہیں۔ اور صدہا شر پسندوں کو گرفتار کیا جا رہا ہے لیکن یہ ماننا پڑتا ہے کہ تحریکِ آزادی اس قسم کے جبر و تشدد سے بھی دب نہیں سکتی۔ یہ اور بات ہے کہ وہ کچھ عرصہ کے لئے آتشِ خاموش بن جائے۔

اعجاز نوح کی مزید جلدیں اگر مطلوب ہوں (جیساکہ اس خط میں ظاہر کیا گیا ہے) تو بھیجی ہوئی جلدوں کے پہنچ جانے پر خط میں مطلوبہ تعداد لکھ دیں۔ عزیزی عرشؔ ہفت رنگ کے بعد دو اور کتابیں مطبع میں بھیج چکے ہیں۔ ایک تو دوسرا مجموعۂ کلام ہے۔ دوسری میں وہ نثر کے مضمون ہیں جو انھوں نے ریڈیو اسٹیشنوں میں (ٹاک) پڑھے یہ زیادہ تر مزاحیہ ہیں مگر ہیں ادبی نوعیت کے۔

ایک کتاب اصلاح الاصلاح آپ کے نام بھیجنے کے لئے آج رام پور خط لکھ رہا ہوں۔ اس کی قیمت دو رُوپے ہے۔ فنّی مطالعہ کے لئے موزوں ہوگی۔ اس کی قیمت اور ڈاک وغیرہ کا خرچ یہاں سے بھیج دیا گیا ہے۔ نوح صاحب کی خدمت میں گیارہ رُوپے بھیجے تھے۔

رحم کر رحم دُکھ مٹا دل کا
دُور کر دردِ لادوا دل کا

یہ ایک بے نقطہ مطلع ہے۔ جو تھوڑے دن ہوئے کہا تھا۔ شاید اس خصوصیت کو زیرِ نظر رکھ کر اس زمین میں غزل کہنے کی کوشش کروں۔ حکومت نے دو لاکھ روپے غالب کا مقبرہ تعمیر کرنے اور اس کے ساتھ ایک لائبریری قائم کرنے کے لئے منظور کر لیا ہے۔ مقبرہ کے لئے میرا قطعۂ[1] تاریخ سب نے بہ مقابلہ دوسرے قطعاتِ تاریخ کے پسند کیا ہے۔ تین ہی شعر ہیں۔ پتھر پر زیادہ اشعار کی گنجائش بھی نہیں ہوتی۔ آخری مصرع یہ ہے۔

آئیے، دیکھئے غالب کا مزار (۱۳۷۲ھ)

پہلے شعر میں ان کے سالِ وفات ۱۲۸۵ھ کا اظہار بھی شامل ہے۔ زیادہ خیریت۔ جنون و ہوش کا تبصرہ انگریزی[2] میں ہوگا۔ تاہم آپ اس کی نقل یا اصل بھیج سکتے ہیں۔

جوشؔ ملسیانی

۱؎ چونکہ قطعہ آج تک غیر مطبوعہ ہے اس لئے قارئین کی دلچسپی کے لئے تینوں اشعار درج ذیل ہیں ؎

جب ہوا دفن یہ شیریں گفتار — وہ تھا بارہ سو پچاسی ہجری
مقبرہ کر دیا اس کا تیار — کی حکومت نے بھی قدر افزائی
سالِ تاریخ یہ لکھ دو اے جوشؔ
آئیے دیکھئے غالب کا مزار
۱۳۷۲ھ

۲؎ تبصرہ "TRIBUNE" اور "Colonial Tims" دو ہفتہ وار اخباروں میں انگریزی میں شائع ہوا تھا۔ پہلا دی آنریبل مسٹر جسٹس جانن سنگھ نے کیا تھا اور دوسرا ٹریبیون اخبار کے اڈیٹر ڈی۔ کے شاردا نے۔ شاردا صاحب ۱۹۵۵ء میں ہندوستان آگئے تھے اور ٹائمز آف انڈیا بمبئی میں اسسٹنٹ ایڈیٹر کے عہدے پر مقرر تھے (بقیہ اگلے صفحے پر)

تازہ اشعار کچھ نہیں تاہم ایک غزل سنئے ؎

کچھ سُنا تم نے یہ چرچا عام ہے
میری ناکامی تمہارا کام ہے

ہر گھڑی آہ و فغاں سے کام ہے
زندگی شاید اسی کا نام ہے

کوئی دل ٹوٹا تو نکلی یہ صدا
دوستی کا بس یہی انجام ہے

شوقِ صادق اور پھر ناکامیاں
اے محبّت یہ بڑا الزام ہے

جائیں کیوں دیر و حرم کی سیر کو
ان میں کیا ہے بس خدا کا نام ہے

فکرِ روزی سے مفر ممکن نہیں
جس کو دانہ کہہ رہے ہو دام ہے

تیرے مستانِ محبّت کے لئے
گردشِ دوراں بھی دورِ جام ہے

(گزشتہ سے پیوستہ) بعد میں سرچ لائٹ پٹنہ کے ایڈیٹر ہو کر پٹنہ میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ وہیں ہارٹ اٹیک سے غالباً ۱۹۵۸ء میں انتقال کیا۔ ستار صاحب بڑے ذہین صحافی تھے۔ میرے خاص دوستوں میں تھے اور مجھ سے مشورہ بھی کرتے تھے۔ ہندوستان میں آکر بھی وہ اصلاحِ شعر سے غافل نہیں رہے تھے۔ ان کی غزلیں مجھے برابر افریقہ میں اصلاح کے لئے آتی رہتی تھیں۔ اس جوان سال دوست کی بے وقت موت کا مجھے آج تک قلق ہے۔

شادی و غم میں فقط اتنا ہے فرق
وہ کرم کچھ خاص ہے یہ عام ہے
روشنی تاریکیوں سے کم نہیں
ہم غریبوں کی سحر بھی شام ہے
پوچھتا ہوں حسرتِ ناکام سے
اب مرے دل میں ترا کیا کام ہے
فردِ عصیاں جوشؔ تم بھی دیکھ لو
پہلے نمبر میں تمہارا نام ہے

۲۲

نکودر۔ ضلع جالندھر، مشرقی پنجاب

۱۲؍جون ۱۹۵۳ء

اخلاص پرور

لفافے دونوں پہنچے تھے۔ مگر میں شروع مئی سے ۱۰؍جون تک یونیورسٹی کے کام میں بے طرح منہمک رہا۔ اب فرصت پائی ہے۔ اس کے علاوہ شروع اپریل سے ایک نواسی بیمار چلی آتی ہے۔ اب حالات اچھے تو ہیں مگر موسم اتنا شدید ہے کہ بہت سی احتیاط اور تیمارداری کی ابھی ضرورت ہے۔

آپ کا حساب تو اصلاح الاصلاح کی قیمت ادا کرنے کے ساتھ ہی بالکل ختم ہو گیا تھا اور میں نے یہ لکھا بھی تھا۔ تعجب ہے کہ آپ ابھی پوچھ رہے ہیں۔ پارسل ابھی تک نہیں پہنچا۔ تاخیر کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ آپ لکھ

رہے ہیں کہ پہنچ چکا ہوگا۔ ان الفاظ سے تو اس کے گاؤ خورد ہو جانے کا شبہ پیدا ہوتا ہے۔ خیر دیکھا جائے گا۔

ماہ مئی میں جالندھر، دہلی اور جموں کے مشاعروں میں بھی شامل ہونا پڑا۔ مگر یونیورسٹی کے کام اور مریضہ کی تیمار داری کے خیال سے ہر جگہ بھاگتے ہی بنی۔ دہلی بھی صرف تین دن ہی ٹھہر سکا۔

آج کل موسم کی شدت کا یہ عالم ہے کہ پرسوں لدھیانہ میں ٹمپریچر ۱۱۷ تھا۔ اتنا تو لاہور میں بھی نہیں ہوتا۔

ایک قطعہ لکھا ہے، اس کے چوتھے مصرع میں ایک محاورہ ہے

زردار بےکسوں پہ ستم ڈھا کے سو رہیں
نادار اپنی جان کو تڑپا کے سو رہیں
رات آگئی ہے دونوں کو آرام چاہیے
وہ پی کے سو رہیں تو یہ کچھ کھا کے سو رہیں

عزیزی عرش کی دو اور کتابیں (ہفت رنگ کے بعد) شائع ہوئی ہیں۔ چنگ و آہنگ (دوسرا مجموعۂ کلام) پوسٹ مارٹم۔ یہ نثر کے ان مضامین کا مجموعہ ہے جو ریڈیو اسٹیشن دہلی میں ٹاک کے طور پر وقتاً فوقتاً پڑھے گئے۔ ادبی بھی ہیں مزاحیہ بھی۔ تنقیدی بھی ہیں اور تفریحی بھی۔ اشعار کچھ دیکھ چکا ہوں۔ کچھ (دوسرے خط کے) باقی ہیں۔ وہ بھی دیکھ کر یک جائی ارسال کردوں گا۔

زیادہ دعائیں۔ جوشؔ ملسیانی

۲۳

مرکز تصنیف وتالیف
نکودر
۲۰ر جولائی ۱۹۵۳ء

عزیز القدر

پچھلا لفافہ بمدّ امانت پڑا رہا۔ ہر دو خطوط کے اشعار دیکھ کر واپس ارسال کر رہا ہوں۔ سابقہ حساب بے باق ہو چکا تھا۔ تیس شلنگ اور پہنچے ۱۹-۱۴ روپیہ کے برابر تھے۔ عرش کی دونوں تازہ کتابیں چنگ و آہنگ چار جلد۔ پوسٹ مارٹم چار جلد رجسٹرڈ پیکیٹ کے ذریعے سمندری ڈاک میں شامل کر چکا ہوں۔ یہ کتابیں تین چار دن پہلے سے عازم منزل ہو چکی ہیں۔ قیمت کی تفصیل یہ ہے۔

چنگ و آہنگ بہ شرح رعائتی -/8/2 چار جلد =	10/-/-
پوسٹ مارٹم " -/-/2 " " =	8/-/-
ڈاک کے رجسٹری پیکیٹ کا خرچ =	1/8/-
یہ ہوائی لفافہ =	-/14/-
میزان	20/6/- روپیہ

وصول شدہ -/19/14 روپیہ - زائد خرچ -/8/-

تیل مالش ابھی تک نہیں پہنچا اور اب کیا پہنچے گا۔ گاؤ خورد ہی سمجھئے اگر پارسل رجسٹری شدہ ہو تو رسید کا حوالہ دے کر ڈاک خانے سے دریافت کر سکتے ہو۔ مجھے تو امید نہیں کہ اب کچھ بنے۔ گویا یہ زحمت جو میرے لئے گوارا کی گئی بے صرفہ ثابت ہوئی۔

میں آپ کی دعا سے ہر طرح مع الخیر ہوں۔ اشعار اچھے تھے۔ معنویت کے ساتھ زبان، پختگیِ بیان اور حسنِ بندش کا بھی ہر طرح خیال رکھا گیا ہے اچھا شعر ہمیشہ بہت سی قطع و برید کا نتیجہ ہوتا ہے۔

کمال صاحب سناتن دھرم ہائی اسکول کرتارپور (ضلع جالندھر) میں ہیں۔ مگر عموماً خاموش رہتے ہیں۔

نیردبی کے آس پاس بدامنی کی خبریں عموماً شائع ہوتی رہتی ہیں۔ اور وجہ سیاسی بتائی جاتی ہے۔ معلوم نہیں حقیقتِ حال کیا ہے۔

بارشیں اچھی ہو رہی ہیں اور موسم اب خوشگوار ہو رہا ہے۔

۲۴ر مئی کے ریڈیائی مشاعرہ دہلی میں شامل ہوا تھا۔ جو غزل وہاں پڑھی تھی اُس کی زمین ہے "کہاں تک بات آ پہنچی" بیاں وغیرہ قافیہ ہے

تغافل چھوڑ دو آہ و فغاں تک بات آ پہنچی
جہاں دل تھام لو گے تم وہاں تک بات آ پہنچی

یہ مطلع تھا۔ مقطع یہ ہے

نیازِ عشق میں اے جوشؔ یہ کیا انقلاب آیا
کہ اب اندیشۂ سود و زیاں تک بات آ پہنچی

زیادہ دعائیں

جوش ملسیانی

۴۳

نکودر۔ ضلع جالندھر۔ مشرقی پنجاب

۲۳ر جولائی ۱۹۵۳ء

عزیز القدر

پارسل[1] آخر کل پہنچ ہی گیا۔ اس کے خواص اور ترکیبِ استعمال جس خط میں درج تھے، وہ محفوظ نہیں رہا۔ دوبارہ بالتفصیل لکھ دیں تو اس کے مطابق آزمائش کی جائے۔

اس پر ٹیکس چار روپیہ تین آنہ ڈاک خانے نے وصول کیا ہے۔ اتنا ٹیکس سمجھ میں نہیں آتا۔ درست ہی ہوگا۔

موسم اچھی برسات کی وجہ سے کافی خوشگوار ہے۔ آپ کے تمام اشعار بعد ترمیم واپس بھیج چکا ہوں اور کتب وغیرہ کا حساب بھی اسی خط میں لکھ چکا ہوں۔

یونیورسٹی کے کام سے اب فراغت ہے۔ یہ فراغت اکتوبر تک تو رہے گی۔ اس عرصے میں کسی مشاعرہ کی تقریب بھی نہیں ہے۔

جنون و ہوش میں شاید چار شعر اس زمین میں ہیں۔ ع

آپ نے پانی کو بھی آتش بداماں کر دیا

یہ غزل اب مکمل کر لی ہے۔ چند تازہ شعر یہ ہیں۔

مقطع:۔
خارِ غم کی جب خلش اے جوش کچھ مٹنے لگی
بجلیاں اتنی گریں ہر سو چراغاں کر دیا

مطلع:۔
میری ہر مشکل کو محسن بن کر آساں کر دیا
عشق توبہ ہے موت نے جینے کا ساماں کر دیا

کیوں مرے احباب نے پوچھا پریشانی کا حال
پوچھ کر تو اور بھی مجھ کو پریشاں کر دیا

---

[1] یعنی شتر مرغ کی چربی کا پارسل

خود گریزاں ہو گئے تو یہ مصیبت کم نہ تھی
غم کو بھی آپ نے مجھ سے گریزاں کر دیا
بڑھ گئی جب گرم بازاری جفائے حُسن کی
ہم نے بھی اپنی وفا کا خون ارزاں کر دیا

کچھ شعر استاد کے رنگ میں

دل لگانا ہم کو آتا ہی نہ تھا
دل لگی ہی دل لگی کرتے رہے
حسن تو نقاشیاں کرتا رہا
رنگ میرے اشکِ خوں بھرتے رہے

زمانے کی باتوں میں آنا بُرا ہے
بُرے تم نہیں ہو زمانا بُرا ہے
خدا جانے گزری ہے کیا آج اُن پر
وہ خود کہہ رہے ہیں زمانا بُرا ہے
شکایت نہ ملنے کی سُن کر وہ بولے
ملیں کس طرح ہم زمانا بُرا ہے

پوری غزل اسی رنگ میں ہے۔

جوش ملسیانی

۲۵

مرکز تصنیف و تالیف۔ نکودر

۱۴ اگست ۱۹۵۳ء

اخلاص پرور و عزیز القدر

بیس شلنگ پہنچ گئے تھے۔ ان میں تقریباً سات روپے اب باقی ہیں۔ اشعار ضروری ترمیم کے بعد اب واپس ارسال کرتا ہوں۔ متعلقہ اشارات بھی کہیں کہیں لکھ دیئے ہیں۔

"مدینہ" اخبار میں شرح غالب کے متعلق جو کچھ شائع ہوا میری نظر سے نہیں گزرا۔ جن بڑے بڑے مسلمان ادیبوں نے اس شرح کی تعریف و توصیف کی ہے اور ہر ایک شعر کے بیان کردہ مفہوم کو مستند قرار دیا ہے ان کی موجودگی میں اس قسم کی تحریریں میرے نزدیک قابلِ وقعت نہیں ہیں۔ اعتراض کرنے والے اصحاب کی فطرت لاعلاج ہوتی ہے۔ ایک سال ہوا کہ اسی علاقے کے ایک صاحب نے (شاید اب بھی وہی ہوں) امرت سر کے بدنام اخبار شیطان میں بھی اسی شرح کے خلاف کچھ لکھا تھا۔ میں اس لئے خاموش رہا تھا کہ جو شخص اپنی تحریروں کی اشاعت کے لئے شیطان کی پناہ لیتا ہے اس کو جواب دینا شیطان بننے کے مترادف ہے۔ پاکستانی رسالوں میں بھی اس شرح پر اچھے تبصرے شائع ہوئے ہیں۔ مثلاً الحمرا لاہور سابق مخزن مرحوم

گھر میں ہر طرح خیریت ہے۔ افکار تازہ کچھ نہیں

زیادہ دعائیں۔

جوش ملسیانی

۲۶

نکودر - ۱۵ ستمبر ۱۹۵۳ء

عزیز القدر

اشعار بعد اصلاح واپس ہیں۔ ضروری اشارات بھی لکھ دئیے ہیں۔ میں خیریت سے ہوں۔ دسہرے کے دن کراچی میں مشاعرہ ہے۔ یہ انجمن ترقی اردو پاکستان کی پچاس سالہ جوبلی کی تقریب پر ہے۔ ادھر سے چھ سات آدمی بلائے گئے ہیں۔ اگر امن کی صورت ہوئی تو جاؤں گا۔ سفر ہوائی ہوگا۔ ایک عزیز کی شادی ہو چکی ہے۔ شادی کے بعد سہرا طلب کیا گیا ہے۔ گویا عید کے بعد ٹمر۔ میں نے صرف پانچ شعر لکھ کر بھیج دیے ہیں۔ وہی لکھ دیتا ہوں۔ ؎

ڈاکٹر شاد[1] کی ہوئی شادی
ہو مبارک یہ خانہ آبادی

نہ بلایا نہ دی خبر مجھ کو
ہاں مٹھائی ضرور بھجوا دی

تنگیِ وقت ہی یہ ٹال دیا
نکتہ جو بحث میں تھا بنیادی

بھول سکتی نہیں کبھی مجھ کو
ایک شاگرد کی یہ استادی

پھر بھی اے جوشؔ یہ حقیقت ہے
شاد ہوں سن کے شاد کی شادی[2]

---

1. ڈاکٹر شاد کو نرمحلی – ۱۹۴۸ء میں ایک دفعہ ملاقات ہوئی تھی۔ نہ جانے اب کہاں ہیں۔
2. میرا خیال ہے کہ یہ قطعہ آج تک غیر مطبوعہ ہے۔

جالندھر ریڈیو میں اُردو پروگرام نہیں۔ اِس لئے کمالی صاحب کی یہ مدد دشوار ہے[1]

زیادہ دعائے درازیٔ عمر۔

جوشؔ ملسیانی

۲۷

نکودر۔ ضلع جالندھر۔ مشرقی پنجاب
۲ر نومبر ۱۹۵۳ء

عزیز القدر

بہت دیر کے بعد یہ خط لکھ رہا ہوں۔ پہلے یونیورسٹی کا کام تین ہفتے کرنا پڑا۔ پھر کراچی چلا گیا۔ چار آدمی اِدھر سے بلائے گئے تھے۔ خطرہ کوئی نہیں۔ اس لئے ریل ہی کے ذریعے سفر کیا۔ باقی تین اصحاب امرتسر میرے شریکِ سفر ہو گئے تھے۔ انجمن ترقی اردو کے جشنِ جوبلی کی تقریب پر یہ مشاعرہ ہوا۔ ایک ہی نشست تھی۔ لاہور اور کراچی کے شعرا تیس کے قریب تھے۔ مشاعرہ نثر بھی ہوا۔ کراچی کی سیر بھی کی۔ سات آٹھ ہزار ہندو خاص کراچی میں ابھی مقیم ہیں۔ آزادی سے رہتے ہیں۔ یہ سندھی ہیں۔ ان

---

[1] اُن دنوں میں جناب کمالی صاحب کی مالی حالت اطمینان بخش نہ تھی اور وضعداری انھیں کسی کو مدد کے لئے پکارنے سے روکتی تھی۔ اس لئے میں نے اپنی طرف سے قبلہ کو جالندھر ریڈیو اسٹیشن سے انھیں کچھ پروگرام دلوانے کے لئے لکھا تھا۔ کمالی صاحب کا ایک مطلع عین اُن کے حسبِ حال ہے ؎

ہماری وضعداری ہم سے دو دو کام لیتی ہے
اُٹھانے پر جب اُٹھتے ہیں تو دامن تھام لیتی ہے

کی عورتیں بھی شراب پیتی ہیں۔ مندر بھی دیکھے آباد تھے۔ بہت سے اصحاب نے ملاقات سے محظوظ کیا۔ مشاعرے میں میری باری سب سے اخیر رکھی گئی۔ روشؔ صدیقی بھی گئے تھے۔ ریختہ کہنے والوں کی تعداد نصف کے قریب ہوگی۔ مگر یہ سب نوجوان طبقے کے تھے۔ دو جگہ اور بھی چائے کی دعوت ہوئی۔ یہ شعراء ہی کا مجمع تھا۔ یہاں بھی مجھے اخیر ہی میں پڑھوایا گیا۔ جہاں اور بھی ہیں۔ نشاں اور بھی ہیں۔ مشاعرے میں تو میں نے یہ غزل اور دو تین رباعیاں پڑھی تھیں۔ دعوت کے جلسوں میں نئی چیزیں سنائی تھیں۔ پاکستانی سکّے کا ۵۰۰ ملا تھا۔ جو سرکاری شرح سے یہاں کا ۷۲۰ ہوتا ہے۔

اب ایک خوش خبری سُن لو۔ مرکزی حکومت نے فنون لطیفہ کی سرپرستی کے لئے ایک فنڈ قائم کیا ہے۔ اس میں سے اُردو کے تین شعراء کے لئے اُن کی ادبی خدمات اور پیرانہ سالی کی بنا پر ڈیڑھ سو روپیہ ماہانہ وظیفہ منظور کر لیا گیا ہے۔ یہ یکم نومبر ۵۳ء سے شروع ہوگا۔ ان میں ایک تو حضرت بیخودؔ دہلوی منتخب ہوئے ہیں۔ ایک میرزا یگانہؔ چنگیزی ہیں ایک میں۔ منظوری کا حکم آچکا ہے۔ اُردو دشمنی کے دَور میں یہ ادب نوازی غنیمت ہے۔ جہاں تک مجھے علم ہے۔ اس انتخاب کے لئے حضرت جوشؔ ملیح آبادی صحیح طور پر سپاس گزاری کے مستحق ہیں۔ کن اصحاب کو منتخب کیا جائے۔ یہ مشورہ موصوف ہی نے حسب استفسار پیش کیا تھا اور وہی منظور ہوا۔ فی الحال یہ ایک سال کے لئے منظور ہوا ہے مگر اس کی بنیاد پیرانہ سالی پر ہے۔ اس لئے امید ہے کہ ایک سال کے

بعد اس کی تجدید ضرور ہوتی رہے گی۔ یہ فیصلہ صدر جمہوریہ کی منظوری سے ہوا ہے۔ میرزا یگانہ اگرچہ میرے ہم عمر ہیں اور ستر بہتر سال سے زیادہ کی عمر کے نہیں۔ مگر ان کا جسمانی انحطاط فی الواقع ہمدردی کے قابل ہے بے خود صاحب تو ۹۲ سال کے ہو چکے ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ ہاپوڑ ضلع میرٹھ بھی یو پی کے امروہہ، سہسوان بلگرام، خیرآباد وغیرہ قصبات کی طرح علم و ادب کا گہوارہ کہا جا سکتا ہے۔ ہاپوڑ کے مولانا اطہر میرے متعارف ہیں۔ اب تو وہ پاکستان میں قیام پذیر ہیں۔ زیادہ خیریت۔

جوش ملسیانی

۲۸

نکودر۔ (پنجاب)۔ ۱۵ دسمبر ۵۲ء

عزیز القدر

۱۰ نومبر سے ایک اُردو لغات کی نظر ثانی میں مصروف ہوں۔ یہ ۱۳۰۰ صفحے کی ہے۔ دہلی میں چار پانچ ادیبوں نے اسے مرتّب کیا ہے۔ اور نظر ثانی کے لئے میرے سپرد ہوئی ہے۔ ۲۵۔۳۰ صفحے ہر روز دیکھتا ہوں۔ مگر خانہ داری کے موانعات کی وجہ سے ناغے بھی ہو جاتے ہیں اس لئے امید نہیں کہ اخیر دسمبر تک اس کام کو ختم کر سکوں۔ اپنے اطمینان کے لئے دو تین ضخیم لغات بھی منگوا رکھے ہیں۔ شک و شبہ دور کرنے کے لئے ان سے فائدہ اٹھاتا ہوں۔ جنوری کے پہلے ہفتے تک

کام مکمل ہو جانے کا یقین ہے۔ جواب میں تاخیر کی وجہ یہی ہے۔

آپ کے مقامی حالات بلاشبہ مخدوش ہیں۔ بلیش تر لوگوں کے اہل و عیال اِدھر واپس آ رہے ہیں۔ خدا خیر کرے۔ اس دفعہ آپ کے اشعار اچھے اور قابلِ حوصلہ افزائی ہیں۔

دنیا کے دوسرے حصّوں میں بھی بے چینی کافی ہے۔ ہندوستان بھی اسی گو مگو کے عالم میں ہے۔ افکارِ تازہ بہت کم ہے۔ پھر بھی ایک غزل کے کچھ اشعار لکھتا ہوں۔ لیکن بہت مختصر ہے ؎

اک نہ اک تیغ نکل گئی ہو گی
باتوں باتوں میں چل گئی ہو گی

دن ڈھلے سے ہے انتظار ان کا
رات بھی اب تو ڈھل گئی ہو گی

شبِ غم اک سحر یہ تھی اُمّید
وہ بھی کم بخت ٹل گئی ہو گی

آج تک تو وہ مہرباں ہی رہے
اب طبیعت بدل گئی ہو گی

سب سے بڑھ کر جو تلخ تھی یا رب
میرے ساغر[1] میں ڈھل گئی ہو گی

موت سے کیا علاجِ غم ہوتا
کفِ افسوس مل گئی ہو گی

---

[1] اس مصرع کے مقابل استاذی قبلہ کا یہ نوٹ ہے "میرے پر زور دینے کی ضرورت ہے"۔ واقعی یہاں زور ساغر پر آگیا ہے حالانکہ نمایاں میرے کو ہونا چاہیے تھا۔ جو نہیں ہو سکا۔ کیونکہ ے تخفیف کے سبب تقطیع میں نہیں آتی۔ اس سے ظاہر ہے کہ استاذی قبلہ شعر کی نوک پلک کا کتنا خیال رکھتے تھے۔

چار پانچ شعر اور ہیں۔ شانِ نزول یہ ہے کہ میں نے اختر مینائی مرحوم کی ایک غزل اسی بحر اور اسی ردیف میں دیکھی تھی۔ شعر تو سات آٹھ سے زیادہ نہ تھے۔ مگر غزل بلاشبہ لاجواب تھی۔ میں نے قافیے بدل کر غزل کہی ہے ردیف وہی رہنے دی ہے۔ ان کی غزل کے تین چار شعر یاد ہیں۔ وہ بھی سن لو ؎

نیند اُن کی اُچٹ گئی ہو گی
رات آنکھوں میں کٹ گئی ہو گی

پھر تمنّائے زیست جاگی ہے
عمر کچھ اور گھٹ گئی ہو گی

مے کدے میں نہ جام ہے نہ سبو
آنکھوں آنکھوں میں بٹ گئی ہو گی

اُن کے جانے سے وقت کی رفتار
اپنے محور سے ہٹ گئی ہو گی

شوخ، بے باک اور شریر صبا
سارے گھونگھٹ اُلٹ گئی ہوگی

باقی شعر یاد نہیں رہے زیادہ خیریت اور دُعائیں۔

جوشؔ ملسیانی

۲۹

نکودر۔ ضلع جالندھر۔ ۱۲ اپریل ۵۴ء

اخلاص پرور

محبت نامہ پہنچا۔ آپ کا کوئی مکتوب یا کوئی نظم میرے پاس بطورِ امانت

نہیں۔ میں تو خود حیران تھا کہ ایک طویل مدّت سے آپ خاموش کیوں ہیں۔ میرے سرکاری وظیفہ کی خوشی میں یہاں کے دو تین اصحاب نے نکودر میں ایک مشاعرہ منعقد کیا تھا۔ حاضری پاس کے ذریعہ تھی۔ پھر بھی سامعین ڈھائی تین سو ہوں گے۔ شعراء ۲۲۔ ۲۳ میرے احترام کے خیال سے پہنچ گئے۔ چوں کہ اسی دن جالندھر ریڈیو اسٹیشن کا مشاعرہ رات کو تھا۔ اس لئے دلی سے آنے والے چار اصحاب بھی لدھیانہ اُتر کر صبح نکودر پہنچ گئے۔ مشاعرہ بہت پُرسکون اور بہت کامیاب رہا۔ بہت سے عزیز پہنچ گئے تھے۔

لغات کو ختم کر دیا تھا۔ مگر ابھی شائع نہیں ہوئی۔ شائع ہونے پر اطلاع دوں گا۔ اب ایک اور فرم کی فرمائش اُردو محاورات مع استعمال کی ایک جامع کتاب مرتّب کر دینے کے متعلق ہے جو اسے ہندی میں شائع کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اس لئے وہ محاورات چھوڑنے پڑیں گے۔ جو فارسی لہجہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ مثلاً یک نہ شد دو شد وغیرہ۔ چند صفحے لکھے تھے کہ مواخات نے گھیر لیا اور کام بند کرنا پڑا۔ اب تک بند ہے۔ خود تین چار ماہ سے بواسیر بادی (خشک خارش بواسیر کی) میں مبتلا ہوں۔ افاقہ ابھی بہت تھوڑا ہے۔ علاج جاری ہے۔ اس کے علاوہ آخری لڑکی کی شادی جس نے اس سال بی۔اے کا امتحان اِن انگلش بھی دیا ہے۔ ۱۶ر مئی کو ہے۔ اکیلے آدمی کے لئے لڑکی کی شادی بہت بڑا جھمیلا ہوتی ہے۔ اخیر مئی میں کراچی میں مشاعرہ ہے وہاں بھی بہ شرط صحت جانے کا ارادہ رکھتا ہوں۔

جوابات: یاد کر لیتا ہوں ہیں۔ فریاد کر لیتا ہوں ہیں۔ یہ قوافی اکثر جگہ

مستعمل نظر آئیں گے۔ اسی طرح چمن، انجمن۔ یا پشیمان اور مہمان، میں ان کو روا نہیں سمجھتا۔ کیونکہ حرفِ روی تبدیل ہو جاتا ہے۔

۲۔ نظر آتی ہے کی جگہ آتی ہے نظر۔ میں یہ بھی قابلِ ترک سمجھتا ہوں۔

۳۔ نگاہِ مست کی صہبا لُٹائے جاتے ہیں۔ پیئے ہوئے ہیں جہاں کو پلائے جاتے ہیں۔ اِن قوافی میں ایطا نہیں ہے۔ کیونکہ ایک جگہ پل بے معنی ہے۔

۴۔ اجل کو دیکھ کے ہم مسکرائے جاتے ہیں۔ ہوائے تند میں شمعیں جلائے جاتے ہیں۔ ان میں بھی ایطا نہیں ہے۔ کیونکہ مسکر بے معنی ہے۔ مشترکہ علامات علیحدہ کر کے اگر دونوں باقی ماندہ ٹکڑے بامعنی ہوں تو یہ ایطا ہے۔ دونوں بے معنی یا کوئی ایک بے معنی ہو تو ایطا نہیں۔

چند افکار تازہ۔ رباعی

صحرا میں بھی ہے جان کے نقصان کا خوف
دریا کے سفر میں بھی ہے طوفان کا خوف
لیکن سب سے بڑی مصیبت ہے تو یہ
انسان کو کھا رہا ہے انسان کا خوف

۲مراخط ۹میں آپ نے میرے ایک شعر میں یہ ٹکڑا الجھا رکھا تھا۔ اسی لئے مجھے دوبارہ دریافت کرنا پڑا۔ شعر یہ ہے ؎

میری شمعِ دل بھی اب بے نور آتی ہے نظر کیا یہ پھیلا دی سیاہی زندگی کی شام نے

دور دورہ ترے کوچے میں ستم کا ہے ابھی
ایک فریاد مرے دل کی تمنّا ہے ابھی
حُسن دنیا کی نگاہوں میں تماشا ہے ابھی
اپنی اِس شانِ خدائی پہ بھی رسوا ہے ابھی
داد خواہی کسی مظلوم کی بے جا ہے ابھی
زر پہ غرّہ ہے ابھی زور پہ دعویٰ ہے ابھی
اے اجل بہرِ خدا تھوڑی سی مہلت دے دے
اک تمنا کے بر آنے کی تمنّا ہے ابھی
ڈر ہے یہ بھی نہ کہیں ہم کو دغا دے جائے
آپ کے لطف و کرم پر جو بھروسا ہے ابھی
مرنے والوں کے لئے کون بہائے آنسو
جینے والوں کو تو جینے ہی کا رونا ہے ابھی
شورِ ہُو حق میں یہ آواز بھی سُن اے زاہد
ترکِ دنیا تو فقط حسرتِ دُنیا ہے ابھی

زیادہ دُعائیں۔

جوشؔ ملسیانی

۳۰

نکودر۔ ضلع جالندھر۔ ۲۴ اپریل ۱۹۵۴ء

عزیز القدر

محبّت نامہ پہنچا۔ احباب کے حُسنِ ظن کا شکریہ۔ یہ اُن کی ذاتی شرافت ہے کہ اپنے ذوقِ ادب نوازی کے پردے میں میرے ہذیانات کی ستائش

فرماتے ہیں۔

نکودر کے مشاعرے میں عرشؔ۔ منورؔ لکھنوی۔ گلزارؔ دہلوی، کمالؔ صاحب۔ بشن داس زارؔ۔ ساگرؔ، بسملؔ کپورتھلوی۔ ساحرؔ جالندھری، سرورؔ جالندھری۔ پنڈت میلارام وفاؔ، پنڈت ہری چند اخترؔ آئے تھے۔ نسیمؔ بھی تھے۔ ۲۲۔ ۲۳۔ شعراء پڑھنے والے شامل ہوئے تھے۔ شعر کسی کے بھی یاد نہیں رہے۔ سوائے ایک شعر کے سہ ساحرؔ جالندھری۔

مرنے کے بعد پُرسشِ اعمال بھی ضرور
یارب سزائے موت گئی کس حساب میں

۱۶ رمئی کو آخری لڑکی کی شادی ہے۔ اِس لئے بہت مصروف ہوں۔ زیادہ لکھنے سے اظہارِ معذرت۔

زیادہ دُعائیں۔ احباب کی خدمت میں سلامِ شوق۔

جوشؔ ملسیانی

۱۳۱

نکودر

۱۴۔ ۶۔ ۶۵ء

عزیز القدر

صحت[۱] غیر مستقل ہے۔ موسم کا استدادِ مزید برآں۔ اِس لئے زیادہ

۱۔ یہ خط اصلاح شدہ کاغذ ہی پر لکھا ہوا ہے اس لئے میری غزل اور اس پر استاذی قبلہ کی اصلاحات متن کا حصّہ بن گئی ہیں۔ دل چسپی کا باعث خیال کر کے اور کچھ اس خیال سے بھی کہ استاد نے اسے پسند فرمایا ہے۔ غزل کے تمام اشعار شامل کر لئے گئے ہیں صرف اصلاحات ہی پر اکتفا نہیں کی گئی۔

لکھنے کے قابل نہیں ہوں۔ اشعار دیکھ کر واپس بھیج رہا ہوں۔
جوشؔ ملسیانی

خرد کو لطف ملے کیا مرے فسانے میں
زمانہ ہوش میں کب تھا ترے زمانے میں
نہ لطف سُننے میں کچھ ہے نہ کچھ سُنانے میں
کوئی مزا ہی نہیں زیست کے فسانے میں
نہ پھُول سونگھے نہ پروانہ کا مزا جانا
(اصلاح) کبھی نہ مستی ... ...
گزاری عمر یونہی ہم نے آشیانے میں
جب اُن کی یاد نے داغِ جگر کو چمکایا
اُجالا ہو گیا دل کے سیاہ خانے میں
حسین پھول بنا، زرد ہو کے ٹوٹ گیا
فسانہ اتنا ہے غنچے کے مُسکرانے میں
یہ کہہ کے بند کیا ہم نے زاہدوں کا منہ
مزا ہے بات کو سُن سُن کے بھُول جانے میں
(اصلاح) .. .. .. ناصحوں کا منہ ہم نے (زاہدوں کا ذکر یہاں بے ربط ہے)
.. ..

خزاں کا دور اگر باغ میں ہے تو کیا غم
کمال اُن کو بھی حاصل ہے گُل کھلانے میں
(اصلاح) اگر چمن میں ہے دورِ خزاں تو غم کیا ہے
.. ..

خلوص و عجز کی دولت سے گھر مرا معمور
جفا و جور کے سیکے ترے خزانے میں — خوب

قرارِ طائرِ جاں کو کہیں نہیں حاصل
نہ آشیانے کے باہر نہ آشیانے میں — اچھا شعر ہے

خیال کس کا ستاتا ہے تجھ کو اے مطرب
کہ آج یاس کی لے ہے ترے ترانے میں

نہ مٹ سکا میں مگر تو نے اے غمِ دوراں!
اُٹھا نہ رکھی کسر کچھ مرے مٹانے میں
کسر اُٹھا نہیں رکھی .. .. .. (اصلاح)

.. .. — غزل قابلِ داد ہے

کبھی حرم سے ہم آئے کبھی حرم کو چلے
گزاری عمرِ رضا ہم نے آنے جانے میں — اچھا کہنے لگ گئے ہو

۳۲

نکودر

۱۲ر جولائی ۵۴ء

اخلاص پرور

اس لفافے کے ساتھ آپ کا ڈاک کا حساب ختم ہوتا ہے۔ صرف ایک لفافہ (فارم) باقی رہ گیا ہے وہ بھی چودہ آنے کا نہیں آٹھ آنے کا ہے یعنی اس میں علیحدہ کاغذ ملفوف نہیں ہو سکتا۔ اس بات کا شکریہ کہ آپ اصلاح کے کام کے لئے میری تکلیفات کو محسوس کرتے ہیں۔ اگر کمال

صاحب کی صحت کے پیشِ نظر انھیں بھی زحمت دینا نہیں چاہتے ہیں تو آپ کے حسبِ استفسار میں نسیم نورمحلی کا نام تجویز کرتا ہوں۔ میں نے انھیں کما ل صاحب کی طرح مدّت سے فارغ الاصلاح سمجھ رکھا ہے۔ کافی نکتہ شناس ہیں۔ آپ اُن سے خط و کتابت کر سکتے ہیں اور یہ لکھ سکتے ہیں کہ میں کس سفارش کی بنیاد پر تکلیف دے رہا ہوں۱۔ پتا یہ ہے۔

لالہ لکشمی چند نسیم۔ نورمحل۔ بینا بازار۔ ضلع جالندھر۔

آپ کے احباب کے حسنِ ظن کا بہت بہت شکریہ۔ اس مکتوب میں بھی غزل کے دو تین اشعار کی اصلاح وہ یقیناً پسند فرمائیں گے۔ افکارِ تازہ کہاں سے لاؤں۔ ایک تو بیمار، دوسرے موسم کا اشتداد۔ چند متفرق اشعار لکھے دیتا ہوں ؎

جا بجث نہ کر، مغز نہ کھا، دُور ہو ناصح
آیا مرے سمجھانے کو عیّار کہیں کا

حُسن یا عشق جفا میں ہیں برابر دونوں
قہر ڈھاتے ہیں مرے جان و جگر پر دونوں
اُجڑے اُجڑے سے نظر آتے ہیں اب دیدۂ و دل
اک تری یاد نے برباد کیئے گھر دونوں

نظر آتے ہیں ہر اقرار میں انکار کے پہلو
محبّت اس زمانے میں سیاست ہوتی جاتی ہے

۱؎ تفصیل آگے آئے گی۔

مصیبت میں تمہاری یاد ہی دل کا سہارا تھی
مگر افسوس وہ بھی اب مصیبت ہوتی جاتی ہے

اے دل تنگ نہ کر تو ہم کو ہر طلب ہی رہنے دے
بے دردوں میں کون سُنے گا درد بھرے افسانے کو
آپ ہمارے خون کے آنسو کیوں بے کار سمجھتے ہیں
ہم ان سے گلرنگ کریں گے دنیا کے ویرانے کو
اب تو سحر تک سُننا ہوگا واعظ کا کھڑاگ تمہیں
محفل والو، یہ کیا سوجھی کیوں چھیڑا دیوانے کو

وہ پھول ہوں جو گر کر بے رنگ ہو چکا ہے
مجھ کو چمن سے نسبت کچھ ہے بھی کچھ نہیں بھی
مجبورِ حال وہ ہے مجبورِ حال میں ہوں
دل سے مجھے شکایت کچھ ہے بھی کچھ نہیں بھی

زیادہ دُعائیں۔

جوش ملسیانی

۳۳

نکودر ضلع جالندھر ۲۸ جولائی ۶۵ء

عزیز القدر

۲۵ شلنگ پہنچے۔ ساڑھے چھ روپے ڈاک خرچ کے لئے رکھ لئے گئے۔

امتحان میں کامیاب ہونے سے مسرّت ہوئی۔ یہ اچھا کیا کہ نسیمؔ صاحب کے نام خط لکھ دیا۔ مگر میں یہ بات ضرور کہوں گا کہ وہاں کے اصلاح شدہ اشعار میرے پاس نہ بھیجا کریں۔ البتّہ شکوک دریافت کرنے اور غیر اصلاح شدہ کلام برائے اصلاح بھیجنے میں مضائقہ نہیں۔ جو اشعار بھیجے ہیں اُن کی اصلاح یہ ہے۔

خواب کا قافیہ۔ مصرع ثانی۔ گوشہ اُٹھا ہے آج یہ کس کی نقاب کا

"دنیائے خواب کا عالم" اس کی جگہ صرف "خواب کا عالم" کافی ہے۔

انتخاب کا قافیہ۔ مصرع اوّل۔ میری نگاہِ شوق کی اے حُسن داد دے

لفظ شوخ اس مصرع میں بے ضرورت تھا۔

مقطع۔ کیوں اپنی زندگی پہ رضاؔ تجھ کو ناز ہے
کوئی بھی کام تو نے کیا ہے ثواب کا

مصرع ثانی میں تم آیا تھا جو شترگربہ ہے۔

غزل اچھی ہے اور محنت سے کہی ہوئی ہے۔ یہ بات باعثِ اطمینان ہے اس بات کا شکریہ کہ آپ نے میری تکلیف کم کر دینے کو فرض سمجھا۔ اب بھی آپ کے حسب خواہش میں اس خدمت سے گریز نہیں کروں گا۔

---

۱ استاذی قبلہ کی ضعیفی اور جناب کمالؔ صاحب کی مخدوش صحت کے پیش نظر میں نے درخواست کی تھی کہ آپ اپنے ہی فارغ الاصلاح شاگردوں میں سے کسی کا نام تجویز فرمائیں۔

اسی ضمن میں ایک لطیفہ بھی سُن لیجئے۔ اسی خیال سے پہلے میں نے مولانا اظہرؔ ہاپوڑی مرحوم سے رجوع کیا تھا اور استاذی قبلہ کی ضعیفی کا ذکر کیا تھا۔ ایک غزل بھی اصلاح کے لئے بھیجی تھی۔ خیال تھا کہ اظہرؔ صاحب یہی کوئی پچپن ساٹھ کی عمر ہوں گے۔ مولانا موصوف نے بکمال شفقت غزل اصلاح

(باقی اگلے صفحے پر)

اشعارِ تازہ میں سے دو رباعیات یہاں لکھتا ہوں۔ ؎

جھڑکی کے لئے رہتی ہے چھوٹوں کی تلاش
ہر بات میں ہوتی ہے انھیں سے پرخاش
یہ بات بجا کہی کسی نے اے جوؔش
سگ باش مگر برادرِ خورد مباش

ایک رباعی میں ہوش میں آنے کو بھی میں نے جنون اور دیوانگی کہا ہے۔ اسے تخیّل کا کرشمہ ہی کہا جا سکتا ہے۔ وہ رباعی یہ ہے ؎

ساغر کے لئے شور مچانا بھی جنوں
پینا بھی جنوں اور پلانا بھی جنوں
کہتے ہیں کہ مے سے غم غلط ہوتا ہے
یہ سچ ہے تو پھر ہوش میں آنا بھی جنوں

کیا عرؔش کی تصنیف پوسٹ مارٹم اور آہنگ حجاز دیکھ چکے ہو۔ موخرالذکر میں اُن کا نعتیہ کلام ہے۔ پوسٹ مارٹم میں اُن کی ریڈیائی تقریریں ہیں جو ادبی بھی ہیں اور مزاحیہ بھی۔ اور کوئی خاص بات قابلِ ذکر نہیں ہے۔ میں خیریت سے ہوں۔ عارضہ بظاہر دب گیا ہے۔ جس زمین میں آپ نے غزل کہی ہے۔ بہت پامال ہے۔ خواجہ وزیر

(بقیہ حاشیہ پچھلے صفحے کا) کرکے بھیج دی اور اسی کاغذ پر یہ خط بھی تحریر فرما دیا۔

عزیزم سلمہ۔ با دعا

میری عمر ۸۴ سال کی ہے۔ اب میں اصلاح کے قابل نہیں رہا۔ حضرت جوؔش مجھ سے دس بارہ سال چھوٹے ہیں .... ،

سیّد معشوق حسین اطہر عفی عنہ

شاگرد ناسخ کی غزل بھی اس زمین میں ہے۔ دو شعر یاد ہیں ~

آیا وہ ماہ لاؤ پیالا شراب کا
مہتاب کے ہو ساتھ طلوع آفتاب کا

دریا بہت پھرا ہے مرے ساتھ دشت میں
ہے اس سے اس کے پاؤں میں چھالا حباب کا

ایک اور شعر مجھے یاد ہے مگر وہ کسی اور کا ہے۔ کیا خوب کہا ہے ~

چھپ کر کسی نے کی تو ہے دریا میں مے کشی
پی کر اُلٹ دیا ہے پیالا حباب کا

زیادہ دُعائیں

جوش ملسیانی

۳۴

نکودر
۱۹ اگست ۱۹۵۴ء

[استادِ محترم[۱]۔ تسلیم
آپ کا نوازش نامہ ملا ۔۔ ۔۔ آپ نے تنبیہ فرمائی ہے کہ نسیم صاحب کے اصلاح شدہ اشعار آپ کو اصلاح کے لئے نہ بھیجا کروں ۔۔۔۔ میری یہ

۱؎ میں نے جناب نسیم نور محلی مرحوم سے اصلاح لینی شروع کر دی مگر اُن کی اصلاحات سے میری تسلی نہ ہوئی۔ چنانچہ میں نے ۵ اگست ۱۹۵۴ء کو ایک خط استاذی قبلہ کی خدمت میں لکھا جس کا جواب ۱۹ اگست ۱۹۵۴ء کا لکھا ہوا مجھے ملا۔ چونکہ جواب میرے ہی خط والے کاغذ پر لکھا ہوا ہے۔ اس لئے میرا خط بھی محفوظ رہ گیا ہے جس میں سے ضروری اقتباسات یہاں درج کرتا ہوں تاکہ ایک واضح تصویر اُبھر سکے۔

عادت ..... نہیں مگر ایک بات ضرور کہوں گا کہ نسیمؔ صاحب کی اصلاح سے مجھے اطمینان نہیں ہوا ..... اُن کی چند اصلاحیں ملاحظہ ہوں۔ آپ خود ہی دیکھ لیجئے۔ مندرجہ ذیل مصرعے یا ٹکڑے ان کی اصلاح سے ہیں۔[۱]

(۱) جگر کا پارہ ہے جز میری روح کا ہے وہ	(۱) مجھے تو جانِ گرامی سے بھی عزیز ہے وہ
(۲) وہ جس کی یاد میں بے چین جان رہتی ہے	(۲) وہ جس کی یاد میں رہتا ہوں رات دن بے چین
(۳) کافِ بیانیہ، کافِ مفاجات اور کافِ صلہ سب قابلِ ترک بتائے ہیں	(۳) ناقابلِ ترک
(۴) مجھے بھی کتنی دفعہ اس طرح ہوا محسوس	(۴) گنتی اور نوبت کے معنی میں یہ تلفظ اسی طرح ہے دیکھو نور اللغات کوئی فے کو ساکن نہیں بولتا۔ سات دفعہ، چار دفعہ، ان سب میں فے کو زبر سے بولتے ہیں۔[۲]
(۵) اگر یہ ہے تری عادت کی بھول کا عالم	(۵) اگر یہی ہیں فراموش کاریاں تیری
(۶) اگر نگاہ تری مجھ سے خوف کھاتی ہے	(۶) تری نگاہِ کرم کو اگر ہے کد مجھ سے
(۷) قسم وفا کی محبت کی مجھ سے کیوں لی تھی	(۷) قسم وفائے محبت کی مجھ سے کیوں لی تھی

(میرے خط میں ایک سوال یہ بھی تھا۔ "لکھئے اب پنجاب میں اُردو کے ساتھ عوام کا سلوک کیسا ہے؟" اس کے مقابل استاذی قبلہ نے یہ ریمارک لکھے ہیں: "ناگفتہ بہ"

[۱] استاذی قبلہ نے عموماً میری رائے سے اتفاق فرمایا اور نسیمؔ صاحب کے اصلاح شدہ مصرعوں کی اپنے قلم سے اصلاح فرمادی۔ چنانچہ اس طرف کے تمام جوابات استاذی قبلہ جوشؔ صاحب کے قلم سے ہیں۔

[۲] مجھے اس وقت معلوم نہ تھا کہ گنتی کے معنی میں دفعہ بروزن وفا آتا ہے۔ میرا یہ اعتراض قطعی کم علمی کے سبب سے تھا اور نسیمؔ صاحب برحق تھے۔ جناب نسیمؔ بڑے نکتہ شناس استاد تھے۔ باوجودیکہ ان سے اصلاح کا سلسلہ (دیکھئے اگلے صفحہ پر)

دس شعر کی ایک غزل بھی اسی کاغذ پر برائے اصلاح لکھ دی تھی۔ استاذی قبلہ نے چھ شعر بحال رکھے اور باقی چار پر اصلاح اور وجہ اصلاح لکھ دی اور حاشیے میں لکھ دیا کہ "غزل اچھی ہے"۔ چونکہ اصلاح اور وجہ اصلاح اہم ہے اس لئے قارئین کی دلچسپی کے لئے چاروں ترامیم درج کی جاتی ہیں)

شعر: ہیں شہیدانِ ناز کی قبریں — اُجڑی اُجڑی یہ بستیاں توبہ

اصلاح: یہ 〃 〃 کے مدفن 〃 〃 〃 〃

توجیہ: یہاں ہے یہ کا تقابل پسندیدہ ہے۔

شعر: چھُو سکی جو کبھی نہ بابِ اثر — آہ کی کوتہ دستیاں توبہ

اصلاح: قلم زد

توجیہ: کوتہ دستیاں کی ہ تقطیع سے خارج ہو گئی۔ کوتہ پہلے ہی کوتاہ کا مخفف ہے۔ پھر یہ تخفیف در تخفیف کیسی۔

شعر: ہو چکا ہوں میں قائل تقدیر — میری ہمت کی پستیاں توبہ

اصلاح: آج تک ہوں 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃

شعر: اے رضا زندگی ہوئی بے چین — حسن کی سرپرستیاں توبہ

اصلاح: 〃 رات دن تڑپتا ہوں 〃 〃 〃 〃

]

دیکھئے صفحے کا حاشیہ) زیادہ دیر قائم نہ رہ سکا اور میں استاذی قبلہ سے پھر اصلاح لینے لگا۔ مگر ان سے میرے تعلقات آخر تک استوار رہے۔

عزیز القدر[1]

ہر دو مطلوبہ کتب[2] کا ذخیرہ میرے پاس نہیں۔ دہلی ہی کے تاجرانِ کتب کے پاس ہے۔ اُنھیں لکھوں گا۔ اصلاحات[3] کا سلسلہ ابھی جاری رکھو۔ اور مزید انتظار کرو۔ ممکن ہے کہ بیشتر اصلاحات قابلِ اطمینان ہوں۔
سُنا ہے کہ نیروبی وغیرہ میں ہندوستانیوں کو بلا وجہ زد و کوب کیا جا رہا ہے۔ یہ کیا معاملہ ہے۔ زیادہ خیریت۔

جوش ملسیانی

۳۵

نکودر۔ ضلع جالندھر
۲۶ اپریل ۵۵ء

اخلاص پرور عزیز القدر
میں تو تمہاری شکایت ذہن میں رکھتا تھا اور غفلت و فراموش کاری کی وجہ سوچا کرتا تھا۔ مگر تم نے میری غفلت کی شکایت لکھ دی۔ خیر، یوں ہی سہی۔
عزیزی عرش دہلی میں خیریت سے ہیں۔ ان کی شائع کردہ کتب دو ہی ہیں۔ ہفت رنگ، چنگ و آہنگ اور پوسٹ مارٹم۔ موخّر الذکر ان کی ریڈیائی تقریروں کا انتخاب ہے۔ اس کے بعد انھوں نے نعتیہ مجموعہ جو بہت مختصر ہے شائع کیا ہے۔

---

[1] یہاں سے استاذی قبلہ کے خط کا متن شروع ہوتا ہے۔

[2] آہنگِ حجاز اور شرح دیوان غالب

[3] یعنی جناب نسیم نور محلی سے

یہ خالص اسلامی کتاب ہے۔

شرح دیوان غالب کا پبلشر اب میں نہیں ہوں۔ کتاب کا تیسرا ایڈیشن رائلٹی پر دے دیا تھا۔ آتما رام اینڈ سنز دہلی کشمیری دروازہ ہی سے اب مل سکتی ہے۔ میرے پاس کوئی کتاب نہیں ہے سوائے ایک ذاتی کتاب کے۔

زیادہ خیریت۔ والدۂ عرشؔ کی طرف سے دُعائے درازیِ عمر۔

رام پور ریاست۔ ہردوئی مُتصل لکھنؤ، دلّی، امرت سر کے مشاعروں میں شامل ہوا ہوں۔ دلّی کا مشاعرہ تاریخی حیثیت کا تھا۔ اس میں اُردو کے ۱۸ نامآور اور بہت عمر رسیدہ شعراء ہی مدعو کئے گئے تھے۔ اس مشاعرہ کا نام "فسانہ ہیں ہم لوگ" تھا۔ کوئی ۹۸ سال کا، کوئی ۸۸ سال کا۔ صرف دو تین اصحاب ایسے تھے جو مجھ سے تین تین چار چار سال چھوٹے تھے۔ مگر ۶۵ سے کم کا کوئی نہ تھا۔ مشاعرہ کے بعد اگلے دن دو دو شعر پڑھوا کر ان سب کی فلم لی گئی۔ پھر اگلے دن پانچ پانچ منٹ پڑھوا کر کلام اور آواز کو ریکارڈ کیا گیا۔ سب کا انفرادی اور مجموعی دونوں صورتوں میں کلام پڑھتے وقت فوٹو بھی لیا گیا۔ بعض اصحاب بیماری اور ضعیفی کی وجہ سے شامل نہ ہو سکے۔ حال آں کہ سب کو سفر کی تکلیف سے بچنے کے لئے ایک ایک آدمی ساتھ لانے اور اُس کا سفر خرچ ادا کرنے کی سہولت دی گئی تھی۔

افکارِ تازہ بہت کم ہیں کچھ لکھے دیتا ہوں ؎

اگر شوقِ طلب ہے تو کر اپنا امتحاں پہلے
محبت میں ہمیشہ سوچتے ہے زیاں پہلے

شرف حاصل ہوا گلشن کی بربادی میں بھی مجھ کو
جلائی برق نے میری ہی شاخِ آشیاں پہلے

نکورو میں بھی ایک مشاعرہ ہوا تھا۔ میرے کئی عزیز شامل ہوئے اُن میں کمالؔ صاحب بھی تھے۔ مقامی حالات کے مطابق یہ مشاعرہ اچھا تھا۔ جالندھر سے بھی چار پانچ اصحاب آئے تھے۔ پڑھنے والوں کی تعداد ۱۷، ۱۸ سے کم نہ تھی۔

سرکاری گرانٹ بدستور مل رہی ہے۔ اس اُردو دشمنی کے دَور میں یہ غنیمت ہے۔ ممباسہ[۱] میں ادبی ماحول تو غالباً نہیں ہوگا۔ آخری لڑکی کی شادی سے فارغ ہو چکا ہوں۔ یہ لڑکی بی۔ اے ہے۔ ایک رباعی سنو ؎

پیری میں طبیعت کی جوانی کیسی
ٹھہرے ہوئے خون میں روانی کیسی
اُمید نہ رکھ زورِ بیاں کی مجھ سے
طاقت ہی نہ ہو تو پہلوانی کیسی[۲]

زیادہ دُعائیں۔

جوشؔ ملسیانی

۱۔ کینیا مشرقی افریقہ کا مشہور بندرگاہ۔ تقریباً دو لاکھ کی آبادی میں تیس ہزار کے قریب ایشیائی تھے مگر ادبی ذوق نہ ہونے کے برابر تھا۔

۲۔ دلی کے ماہی رسالہ تحریر (۱۹۷۲ء) کے ۲۲ ویں شمارے جوشؔ ملسیانی نمبر کے مدیر جناب منوہر سہائے انورؔ رقم طراز ہیں: "آپ (جوشؔ ملسیانی) نے جنوری ۱۹۷۱ء میں ایک تازہ ترین رباعی مجھے بھیجی تھی..." اس کے بعد یہی رباعی درج کر کے بہت سی تعریف و توصیف فرمائی ہے۔ ظاہر ہے یہ رباعی ۱۹۷۱ء یا اُس سے کچھ پہلے تخلیق نہیں کی گئی تھی۔ میرے نام اس خط کے علاوہ ۱۳ مئی ۱۹۵۵ء کے خط نمبر ۲۶ میں بھی یہ رباعی درج ہے۔

۳۶

مرکز تصنیف و تالیف نکودر

۱۳ مئی ۱۹۵۵ء

اخلاص پرور

غزل بعد اصلاح واپس ہے۔ میں خیریت سے ہوں۔ نعتیہ[1] مجموعے کی چند کاپیاں اگرچہ میرے پاس ہیں مگر فی الحال ایک جلد کا بھیجنا اس لئے ملتوی رکھتا ہوں کہ یہ تو اسلامی مذاق کی چیز ہے اور اسلامی دنیا ہی اُن کے لئے مطالبہ کر سکتی ہے۔

لغات جو میں نے مرتب کیا ابھی تک شائع نہیں ہوا۔ امتحاں پہلے، زیاں پہلے۔ اس زمین میں ایک شعر سنو ؂

وہ مے کش گھر کے مے خانے میں جب بھی دَور چلتا ہے
چھڑک دیتا ہے میرے نام کی پیرِ مغاں پہلے

زیادہ دُعائیں۔

جوش ملسیانی

ایک رباعی :-

پیری میں طبیعت کی جوانی کیسی
ٹھٹھرے ہوئے خون میں روانی کیسی
اُمید نہ رکھ زورِ بیاں کی مجھ سے
طاقت ہی نہ ہو تو پہلوانی کیسی[2]

---

[1] برادرم عرشؔ صاحب کی تصنیف "آہنگِ حجاز"

[2] اس رباعی کے لئے دیکھئے خط نمبر ۳۵ مورخہ ۲۶ اپریل ۱۹۵۵ء مع حاشیہ مؤلف۔

۳۷

مرکز تصنیف و تالیف نکودر

۱۳ ر فروری ۵۶ء

اخلاص پرور عزیز القدر

محبت نامہ ایک مُدّت کے بعد باعثِ مسرّت ہوا۔ شادی پر سب کو مبارک باد پیشگی۔

نظم اس تقریب پر خود لکھ کر کسی اور سے پڑھوا سکتے ہو۔ مجھے یہ تکلیف دینے کی ضرورت نہ تھی۔ جو شخص خود یہ کام نہ کر سکے اُس کی فرمائش کا جواز تو سمجھ میں آ سکتا ہے مگر جو خود یہ کام کر سکے اُس کی یہ کوشش محنت سے گریز پا ہونے کے مترادف ہے۔ گرانٹ بدستور مل رہی ہے۔

بےؔ خود دہلوی۔ پنڈت کیفیؔ دہلوی۔ مرزا یگانہؔ تینوں ایک ایک دو دو ماہ کے وقفے سے وفات پا گئے۔ دہلی میں تو میدان اب بالکل خالی ہے۔ پنجاب میں اُردو کی کس مپرسی بدستور ہے۔ اگرچہ صوبائی یونیورسٹی نے کالجوں میں اسے انتخابی مضمون قرار دے دیا ہے یعنی اختیاری نہیں رہنے دیا اور اُردو فارسی کا ایم۔ اے بھی بنا دیا ہے۔ مگر جب ہائی اسکولوں میں یہ چیز نہیں ہے تو کالجوں میں بھی یہ رعایت اپنی موت آپ مر جائے گی۔

جنون و ہوش کے بعد اور کوئی کتاب شائع نہیں کی۔ اُردو محاورات کی ایک کتاب جس میں معنی کے ساتھ نظم میں اس کا استعمال بھی دیا گیا ہے۔ مرتّب کی تھی مگر وہ ہندی میں شائع ہو گی۔ اس خیال سے ایسے محاورات چھوڑ دیئے جن میں فارسی کے الفاظ آتے ہیں۔ مثلاً یک نہ شد دو شد۔

۳۶

مرکزِ تصنیف و تالیف نکودر

۱۳ مئی ۱۹۵۵ء

اخلاص پرور

غزل بعدِ اصلاح واپس ہے۔ میں خیریت سے ہوں۔ نعتیہ[1] مجموعے کی چند کاپیاں اگرچہ میرے پاس ہیں مگر فی الحال ایک جلد کا بھیجنا اس لئے ملتوی رکھتا ہوں کہ یہ تو اسلامی مذاق کی چیز ہے اور اسلامی دنیا ہی اُن کے لئے مطالبہ کر سکتی ہے۔

لغات جو میں نے مرتب کیا ابھی تک شائع نہیں ہوا۔ امتحاں پہلے، زیاں پہلے۔ اس زمین میں ایک شعر سنو ؎

وہ مے کش گر ہو مے خانے میں جب بھی دَور چلتا ہے
چھڑک دیتا ہے میرے نام کی پیرِ مغاں پہلے

زیادہ دُعائیں۔

جوش ملسیانی

ایک رباعی :-

پیری میں طبیعت کی جوانی کیسی
ٹھٹھرے ہوئے خون میں روانی کیسی
اُمید نہ رکھ زورِ بیاں کی مجھ سے
طاقت ہی نہ ہو تو پہلوانی کیسی[2]

---

[1] برادرم عرشؔ صاحب کی تصنیف "آہنگِ حجاز"

[2] اس رباعی کے لئے دیکھئے خط ۳۵ مورخہ ۲۶ اپریل ۱۹۵۵ء مع حاشیہ مؤلف۔

۳۷

مرکز تصنیف و تالیف نکودر

۱۳ فروری ۵۶ء

اخلاص پرور عزیز القدر

محبت نامہ ایک مدت کے بعد باعث مسرت ہوا۔ شادی پر سب کو مبارک باد پیشگی۔

نظم اس تقریب پر خود لکھ کر کسی اور سے پڑھوا سکتے ہو۔ مجھے یہ تکلیف دینے کی ضرورت نہ تھی۔ جو شخص خود یہ کام نہ کر سکے اُس کی فرمائش کا جواز تو سمجھ میں آ سکتا ہے مگر جو خود یہ کام کر سکے اُس کی یہ کوشش محنت سے گریز پا ہونے کے مترادف ہے۔ گرانٹ بدستور مل رہی ہے۔

بے خود دہلوی۔ پنڈت کیفی دہلوی۔ مرزا یگانہ تینوں ایک ایک دو دو ماہ کے وقفے سے وفات پا گئے۔ دہلی میں تو میدان اب بالکل خالی ہے۔ پنجاب میں اُردو کی کس مپرسی بدستور ہے۔ اگرچہ صوبائی یونیورسٹی نے کالجوں میں اسے انتخابی مضمون قرار دے دیا ہے یعنی اختیاری نہیں رہنے دیا اور اُردو فارسی کا ایم۔ اے بھی بنا دیا ہے۔ مگر جب ہائی اسکولوں میں یہ چیز نہیں ہے تو کالجوں میں بھی یہ رعایت اپنی موت آپ مر جائے گی۔

جنون و ہوش کے بعد اور کوئی کتاب شائع نہیں کی۔ اُردو محاورات کی ایک کتاب جس میں معنی کے ساتھ نظم میں اس کا استعمال بھی دیا گیا ہے۔ مرتب کی تھی مگر وہ ہندی میں شائع ہوگی۔ اس خیال سے ایسے محاورات چھوڑ دیئے جن میں فارسی کے الفاظ آتے ہیں۔ مثلاً یک نہ شد دو شد۔

خالہ جی کا گھر نہیں وغیرہ وغیرہ۔ پھر بھی ضخامت کافی ہے۔ عرش نے ہفت رنگ کے بعد جنگ و آہنگ اور پوسٹ مارٹم دو کتابیں ضرور شائع کی ہیں۔ شاید دیکھ چکے ہوگے۔ مشاعرے بھی اب کم ہوتے ہیں۔ اگر ہوتے بھی ہیں تو زیادہ تر مقامی حیثیت کے۔ پچھلے سال ریاست رام پور اور ہردوئی متصل لکھنؤ کے مشاعروں میں شامل ہوا تھا۔ دہلی ریڈیو اسٹیشن نے جدت سے کام لے کر "فسانہ ہیں ہم لوگ" کے عنوان سے پرانی عمر کے شاعروں کا ایک مشاعرہ نشر کیا تھا۔ اس میں وہی شاعر شامل کئے گئے جو ستر سال سے زیادہ عمر کے تھے۔ ان کی فلم بھی تیار ہوئی۔ ان کی آوازیں بھی ریکارڈ کی گئیں۔ ان کے فوٹو بھی لئے گئے۔ (فرداً فرداً)

حضرت نوح ناروی نے ابوالفصاحت کی سند اپنی مہر لگا کر مجھے بھیجی ہے۔

یہ نہیں بتایا کہ شادی اِدھر آکر ہوگی یا افریقہ ہی میں اس کا انتظام کر لیا گیا ہے۔

اور کوئی خاص بات قابلِ ذکر نہیں۔ زیادہ دعائیں۔

ایک رباعی سُن لو۔

ہستی کو سمجھنے میں خطا کوش ہیں سب\
یہ راز جو پوچھو بھی تو خاموش ہیں سب\
رندوں ہی پہ بوچھار ملامت کی یہ کیوں\
مے خانے کے باہر بھی تو بے ہوش ہیں سب

جوش ملیح آبادی ہندوستان چھوڑ کر مع عیال و اطفال پاکستان چلے گئے اور وہاں کی شہریت اختیار کر لی۔ ایک میان میں دو تلواریں

نہیں رہ سکتی تھیں اس لئے نہ رہیں۔ ان کی جگہ عرش کو مل گئی ہے۔ یعنی اب وہ سرکاری رسالہ آج کل کے چیف ایڈیٹر ہیں۔ تنخواہ میں .... روپیہ اضافہ ہوا۔ کمال صاحب ڈی۔ اے۔ وی ہائی اسکول کرتار پور ہی میں ہیں۔

میرے شاگردوں میں تین اصحاب ایسے ہیں جو یو۔ پی کے رہنے والے ہیں اور اچھا کہہ سکتے ہیں۔ فقط

ایک غزل کے چند شعر:۔

ڈر ہے کہ اور بھی دلِ مضطر حزیں نہ ہو
اس ہاں سے بھی مراد تمہاری نہیں نہ ہو

ظالم نے سنگِ در کو بھی اٹھوا دیا ہے آج
اس وہم میں کہ یہ بھی کسی کی جبیں نہ ہو

کوئی چمن میں کوئی بیاباں میں جا رہا
وہ کیا کرے کہ جس کا ٹھکانا کہیں نہ ہو

دیوانے جس کی خاک اڑاتے ہوں رات دن
صحرا کی وہ زمیں ہو غزل کی زمیں نہ ہو

وعدہ تمہارا اور یہ قسمیں بجا سہی
لیکن وہ کیا کرے جسے اب بھی یقیں نہ ہو

۱؎ یہ محض شوخی ہے جو جوشؔ ملسیانی اور جوشؔ ملیح آبادی میں لفظ جوش نے پیدا کردی ورنہ استادی قبلہ دو لفظوں حسد اور احسان فراموشی سے گویا ناواقف تھے۔ خط ۱۳۶ دیکھئے ماہانہ وظیفہ کی منظوری کے لئے جوشؔ ملیح آبادی کا شکریہ کن لفظوں میں ادا کیا۔ آخر مجھ ایسے دور افتادہ کو خط میں یہ اطلاع دینے اور جوشؔ ملیح آبادی کے لئے بے ساختہ کلمۂ تحسین لکھنے کی کیا ضرورت تھی۔

ہر خشک و تر میں عکس ہے اُس کے جمال کا
یہ جلوہ وہ نہیں جو کہیں ہو کہیں نہ ہو
کیوں انتظارِ حشر ہو آپس کی بات پر
کیوں فیصلہ ہمارا تمہارا یہیں نہ ہو

اِس ہنر سے نوچ اے صیّاد میرے بال و پر
حسرتِ پرواز بھی اُڑ جائے بال و پر کے ساتھ

جوشؔ ملسیانی

۳۸

مرکزِ تصنیف و تالیف نکودر

۱۲ر جولائی ۵۶ء

اخلاص پرور عزیز القدر

لفافہ پہنچا۔ آپ کا گلہ مٹانے کے لئے دو شعر کا قطعہ ارسال کر رہا ہوں

ڈاک نے مجھ کو سُنایا مژدہ
ہونے والی ہے رضا کی شادی[1]
کالے کوسوں کا سفر ہے اے جوشؔ
بھیج دو خط میں مبارک بادی

۱؎ میری شادی ۳ر اگست ۱۹۵۶ء کو تنزانیہ مشرقی افریقہ کے ایک شہر اروشا میں ہوئی۔ یہ شہر نیروبی سے ۱۸۰ میل کے فاصلے پر ہے۔

میں خیریت سے ہوں۔ اچھے مشاعرے اب بہت کم ہوتے ہیں۔ کچھ دن پہلے مسوری ایک مشاعرہ ہوا، داخلہ ٹکٹ کے ذریعے تھا۔ وہاں جو غزل پڑھی، اُس کے تین چار شعر یہ ہیں ؎

پھل اُسے آئے نہ آئے یہ مقدّر کی ہے بات
چھاؤں تو نخلِ تمنّا کی گھنی ہوتی ہے
شکوے تو قیدِ محبّت بھی ہوا کرتے ہیں
مگر اُس وقت جب آپس میں بنی ہوتی ہے
میں بھی پیتا ہوں مجھے اُس سے تو انکار نہیں
وہ مگر دامنِ تقویٰ میں چھنی ہوتی ہے
کس طرح دور ہوں آلامِ غریب الوطنی
زندگی خود بھی غریب الوطنی ہوتی ہے

سرکاری گرانٹ بدستور مل رہی ہے۔ یونیورسٹی کا کام بھی کر رہا ہوں (ایف۔ اے اُردو اوپشنل)۔ اِس گئے گزرے زمانے میں بھی ایف۔ اے کے اُردو طالب علم ساڑھے تین ہزار کے قریب ہیں۔ عزیزی عرش جوشؔ ملیح آبادی کی جگہ پر بدستور کام کر رہے ہیں۔ ان کا گریڈ انھیں ملا ہوا ہے۔ یہ تو معلوم ہوا ہوگا کہ جوشؔ ملیح آبادی وطن چھوڑ کر مع اہل و عیال پاکستان چلے گئے اور وہاں کے شہری بن گئے۔
گوپی چند نارنگؔ نے میری شاعری پر بتیس بائیس۲۲ صفحے کا مضمون شائع

ملہ جامعہ اسلامیہ دہلی کے اُردو کے پروفیسر

کیا ہے۔ یہ علی گڑھ کے تنقیدی رسالہ اُردو ادب میں اشاعت پذیر ہوا ہے۔

پاکستان کے ایک رسالہ نے اپنے شخصیت نمبر کے لئے حضرت داغ پر ایک مضمون بھیجنے کا بار بار تقاضا کیا۔ دس بارہ صفحوں کا مضمون لکھ کر بھیج دیا ہے۔

اور کوئی خاص بات قابلِ ذکر نہیں۔ زیادہ دُعائیں۔

حضرت داغ کے دو شعر سُنو ؎

راہ پر اُن کو لگا لائے تو ہیں باتوں میں
اور کُھل جائیں گے دو چار ملاقاتوں میں
تمہیں انصاف سے اے حضرتِ ناصح کہہ دو
لُطف اِن باتوں میں آتا ہے کہ اُن باتوں میں

جوشؔ ملسیانی

۳۹

نکودر۔ ضلع جالندھر
۳۰؍ جولائی ۵۶ء

عزیز القدر

خط پہنچا۔ "اک نہ اک بیخ نکل گئی ہو گی"۔ بیخ کے معنی رُکاوٹ کی بات بھی ہے۔ عیب بھی، فساد اور جھگڑا بھی۔ میں نے اس مصرع میں دو لفظ (منہ سے) محذوف رکھے تھے۔ یہ الفاظ ملائے جائیں تو کسی حرف گیری کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ اساتذہ کے کلام میں ایسے محذوفات عام ہیں۔ ہاں ان محذوفات کو ناروا سمجھا جائے تو تمہارا اعتراض[1] درست ہے۔

---

[1] میں نے عرض کیا تھا کہ یہاں اک نہ اک بیخ نکل آئی ہو گی کا محل ہے۔ پورا شعر یہ تھا ؎

(بقیہ اگلے صفحے پر)

لغت میں بیخ نکلنا تو لکھا ہے۔ بیخ نکل آنا۔ بیخ نکل جانا، دونوں نہیں لکھے۔ یہ بات میں نور اللغات اور فرہنگ آصفیہ دونوں کے بیانات پر لکھ رہا ہوں۔ تاہم میں یہ مصرع بدل دوں گا۔

'مبارک بادی' پر جو اعتراض تم نے کیا ہے۔ وہ میں کسی طرح بھی تسلیم نہیں کر سکتا۔ یہ اعتراض کم آگاہی پر دلالت کرتا ہے۔ آج سے تیس سال پہلے میں بھی مبارک بادی کو صحیح سمجھتا اور اخیر میں ی کے بڑھانے کو غلط خیال کرتا تھا۔ مگر جب بے خود دہلوی کی ایک نظم خوشی کی تقریب پر دیکھی تو میں شک و شبہ میں پڑ گیا۔ اس نظم کی جو دس گیارہ اشعار پر مشتمل تھی ردیف ہی مبارک بادی تھی۔ ایک مصرع یہ ہے۔ ع

کہیں رنگیں کہیں شادی ہے مبارک بادی

سادی، اچھی، کیسی وغیرہ قوافی تھے۔ اس کے بعد حضرت داغ کا ایک شعر پڑھا ؎

(بسلسلۂ ماسبق) اک نہ اک بیخ نکل گئی ہو گی
باتوں باتوں میں چل گئی ہو گی

سے یہ غزل استاذی قبلہ کے تیسرے مجموعۂ کلام 'فردوس گوش' میں شامل ہے۔ اب یہ مطلع اس طرح ہے ؎

کچھ تو منہ سے نکل گئی ہو گی
باتوں باتوں میں چل گئی ہو گی

استاذی قبلہ نے میری گستاخیوں کا کبھی برا نہیں منایا تھا۔ شفقت آپ کی زندگی کا نمایاں پہلو تھا۔ میں نے کیسی بھی سخت بات کہہ دی آپ نے اپنے مرتبے کا ناجائز استعمال کر کے مجھے خاموش رہنے پر مجبور نہیں کیا بلکہ ہمیشہ بزرگانہ متانت سے اس کا مدلل جواب دیا۔ جس سے میری صحیح رہنمائی ہوئی۔

ہم تجھے دیتے ہیں نوشاہ مبارک بادی

کرے مقبول یہ اللہ مبارک بادی

اس سے ظاہر ہوا کہ مبارک باد اور مبارک بادی دونوں صحیح ہیں۔

داغ صاحب نے اپنی عمر کے پہلے ۲۵ سال شہزادوں کی صحبت میں بسر کئے۔ قلعہ دہلی کی بیگمات کی گود میں پرورش پائی۔ ان کی اُردو پر اعتراض کرنے کا کسی کو حق حاصل نہیں۔ اُن کا یہ دعویٰ بجا ہے۔ ع

اُردو ہی وہ نہیں جو ہماری زباں نہیں

حضرت داغ کی ایک غزل میں بھی یہ شعر ہے ؎

غمِ جاوید نے دی مجھ کو مبارک بادی

جب سُنا یہ کہ اُنھیں شیوۂ بیداد آیا

یہ لفظ اُردو ہی میں نہیں، فارسی میں بھی مستعمل ہے۔ زلالی کا یہ شعر دیکھو ؎

خلیل اللہ را در مسلکِ خوں ریز فرزندش

مبارک بادیِ قرباں بہ ماہ عید قرباں زد

اُردو نثر کا یہ جملہ قابلِ غور ہے۔

چاروں طرف سے مبارک بادیاں آنے لگیں

اس کی جگہ "مبارک بادیں آنے لگیں"، میں نے کسی جگہ نہیں پڑھا۔ اس پر بھی میں دونوں کو صحیح سمجھتا ہوں۔ معتبر اور مستند سندات لکھ دی ہیں۔

اس غزل کے کچھ شعر اور لکھتا ہوں ؎

عقل و مذہب کی جب آپس میں ٹھنی ہوتی ہے
پھر تو ہر راہ بری راہ زنی ہوتی ہے
گوہر اشک سے پُر رہتا ہو دامن جس کا
وہ محبت بھی تو قسمت کی دھنی ہوتی ہے
یاد آتی ہے جو اُن کی نگہ ناز مجھے
ایک برچھی مرے سینے پہ تنی ہوتی ہے
ضبط گریہ سے کہیں چاک نہ ہو جائے جگر
بُوند آنسو کی بھی ہیرے کی کنی ہوتی ہے

تین شعر اور ہوں گے۔ چار پہلے خط میں لکھ چکا ہوں۔ اب مقطع بھی سُن لو ؎

اس قدر غیر ہے کیوں حال تمہارا اے جوشؔ
کبھی دل پر تو کبھی دم پہ بنی ہوتی ہے

زیادہ دُعائیں۔

جوشؔ ملسیانی

۴۰

نکودر

۲ ر اگست ۵۶ء

عزیز القدر

غزل[۱] واپس بھیج رہا ہوں۔

۱۔ اجس کاغذ پر میں نے غزل برائے اصلاح بھیجی تھی اُسی کاغذ پر یہ خط لکھا ہوا ہے۔ طوالت کے خوف سے غزل کے باقی اشعار حذف کر دیے گئے ہیں۔ صرف ترمیم شدہ اشعار پر اکتفا کی گئی ہے۔

شعر: جوشِ سودا کرم اُنھیں کا ہے		ہم کو ہوش و حواس نے مارا!
اصلاح: اس سے دیوانگی ہی بہتر تھی		" " " "
شعر: آج تک جی رہے ہیں ہم آ دوست		تجھ سے ملنے کی آس نے مارا
اصلاح: یہ بھی جینے میں کوئی جینا ہے		" " " " "

باقی تمام اشعار بحال۔ غزل اچھی ہے۔ دو شعروں کو ترقی دینے اور زیادہ ربط پیدا کرنے کے خیال سے ترمیم کی گئی۔

زیادہ دُعائیں

جوشؔ ملسیانی

۱۴

بزمِ ادب پنجاب جالندھر
نکودر
۶ اپریل ۶۳ء

عزیز القدر

کچھ غیر مطبوعہ اشعار جو شری کالی داس رضا کی حسبِ فرمائش عند الملاقات یہاں لکھ دیئے ہیں:۔

وہ چیز بتاؤ جو بہت ہے بد نام
ہے جس کی ہر اک ادا شرارت کا پیام
اس کو یہ امتیاز بھی حاصل ہے
جنّت میں حلال اور دنیا میں حرام

کس کس کی جفاؤں کا گلہ لاؤں زباں پر
اک تم نہ بگڑتے تو خدائی نہ بگڑتی

ہے سارا جہاں برسرِ جنگ اور میں تنہا
کیا خاک لڑوں جب مری قسمت نہیں لڑتی

تبرک کی مقدار تھوڑی ہوتی ہے۔

نوٹ:- عزیزی کالی داس رضا میرے پُرانے سعادت مند شاگرد ہیں۔ یہ چار اشعار اُنھیں کے اصرار پر لکھے ہیں۔

جوش ملسیانی

ایک مزاحیہ شعر:-

تمنّا تھی کہ گھر جا کر گریں گے حلوے مانڈے پر
مگر افسوس صد افسوس اِس کم بخت ہانڈے[1] پر

---

[1] اس شعر کی شانِ نزول بقول استاذی قبلہ یہ ہے:

"جب شاہِ انگلستان جارج ہفتم کے انتقال (۲۱ جنوری ۱۹۳۶ء) کی خبر پہنچی تو جس اسکول میں میں معلم تھا اُس میں اگلے روز چھٹی کا اعلان کر دیا گیا جیسا کہ ہوتا ہے استاد اور طالب علم بہت خوش ہوئے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ چھٹی صرف بچوں کو ہے ماسٹروں کو نہیں۔ چوں کہ اسکول کے ہیڈ ماسٹر مسٹر ہانڈہ تھے اور اعلان انھیں کی طرف سے ہوا تھا۔ اِس لئے اس فی البدیہہ شعر میں انھیں کو ہدفِ ملامت بنایا گیا ہے۔"

اسی ملاقات میں استاذی قبلہ نے ایک یہ بات بھی بیان کی تھی۔ فرماتے تھے کہ ایک روز آپ جیسے ہی کلاس روم میں پڑھانے کے لئے داخل ہوئے تو بڑے زور کی آندھی چلی اور سب کھڑکیاں دروازے [illegible] بند کرنے پڑے۔ طالب علموں نے شور مچا دیا کہ اس پر ایک شعر ہو جائے۔ آپ نے اُسی وقت بلیک بورڈ پر یہ ذیل کا شعر تحریر فرما دیا (مجھے معلوم نہیں کہ یہ مطلع کہیں چھپا ہے کہ نہیں) ؎

اور ہوتے ہیں جو محفل میں خموش آتے ہیں
آندھیاں اُٹھتی ہیں جب حضرتِ جوشؔ آتے ہیں

۹۲

نکودر۔ ضلع جالندھر۔ مشرقی پنجاب
۲۷ مئی ۶۳ء

اخلاص پرور عزیز القدر

اُمید ہے کہ آپ سب خیریت سے ہوں گے۔

میرا خیال تھا کہ آپ اپنے قول کے مطابق ۲۴ مئی تک اِدھر ہی رہیں گے۔ اسی خیال سے اخیر اپریل میں مکند پور[1] کے پتے پر ایک ضروری خط لکھا تھا[2]۔ جواب نہ آنے پر گمان گزرا کہ آپ ضرور واپس ہو گئے ہوں گے۔ ورنہ یہ ممکن نہ تھا کہ جواب نہ لکھتے۔ اب تو ۲۴ مئی بھی گزر چکی ہے۔ اس لئے اب تو یہ یقین کیا جا سکتا ہے کہ آپ نیروبی پہنچ چکے ہوں گے۔

اُس خط میں تو محض ایک اشارا ہی لکھا تھا۔ اب تفصیل سے لکھ رہا ہوں۔ میرا ایک ...... شری ...... بی اے۔ بی۔ ٹی۔ عمر ۲۷-۲۸ سال... مڈل اسکول تحصیل جگراؤں ضلع جالندھر میں سیکنڈ ماسٹر ہے... ... کا باشندہ ہے۔ اُس نے سُن رکھا ہے کہ نیروبی یا کینیا کالونی میں ایسے ٹیچر کو بارہ تیرہ سو روپیہ تنخواہ مل جاتی ہے۔ اُردو فارسی بھی اچھی جانتا ہے۔ اس لئے چاہتا ہے کہ اِس سلسلہ میں میری معرفت آپ کی امداد حاصل کرے۔ پاس پورٹ حاصل کرنے میں اب کافی دشواریاں ہیں۔ آسانی کی صورتیں دو ہو سکتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہ وہاں کسی پوسٹ ماسٹر کے

---

[1] میرا آبائی گاؤں

[2] یہ خط مجھے نہیں ملا۔

لئے بیان کردہ پتے پر درخواست کرے اور منظوری کی اطلاع محکمۂ متعلقہ کی طرف سے آئے اور اس کی بنا پر پاس پورٹ حاصل کرے۔ یا یہ کہ وہاں کی کوئی فرم اس شخص کو اپنی ضرورت کے لئے منتخب کرے اور وہاں کی گورنمنٹ فرم کی اس درخواست کو منظور کرے اور بلوانے کی اجازت دے۔ پھر اس منظوری کی بنا پر پاس پورٹ حاصل کیا جائے یا کوئی اور تجویز جو میرے علم میں نہ ہو۔ کافی غور کے بعد آپ لکھ سکتے ہیں۔ وہ سوشل سٹڈی گریجویٹوں کی جماعت سے تعلق رکھتا ہے صحت مضبوط ہے۔ اسی کی تحریک سے یہ خط لکھ رہا ہوں۔ ممکن ہے کہ آپ کی سرگرم امداد سے یہ مشکل حل ہوجائے ...... بعض مثالیں ایسی بھی ہیں کہ وہاں کی کسی فرم نے ایک ہندوستانی اپنی ضرورت کے مطابق منتخب کیا ہے اور اس کے لئے کینیا گورنمنٹ سے منظوری حاصل کر کے اسے منگوایا ہے۔

میری کتاب ابھی بازار میں نہیں آئی۔ تین چار دن تک دلّی جانے والا ہوں۔ وہاں جاکر اس کے متعلق پورے حالات معلوم کروں گا۔ چار پانچ دن وہاں ٹھہر کر واپس آجاؤں گا۔

تیسرا دیوان مطبع کے سپرد کرنے کے بعد گھوڑے بیچ کر سو گیا ہوں۔ کوئی نئی چیز ایک دو رباعیات کے سوا نہیں کہی۔ اُردو کا مستقبل بھی مجھے متحرک نہیں کرتا۔ طبیعت منجمد ہوئی جاتی ہے۔

زیادہ خیریت۔

عزیزہ ساوتری دیوی اور بچوں کے لئے دُعائے خیر۔

جوشؔ ملسیانی

صرف دو شعر

کہتا ہے وہ ظالم مری فریاد کو سن کر
دے طاقتِ فریاد خدا اور زیادہ
کچھ پاس کر اس ضعف کا اے رحمتِ باری
اُٹھتے نہیں اب دستِ دعا اور زیادہ

۳۴

نکودر۔ ضلع جالندھر
۱۶ر جولائی ۶۳ء

اخلاص پرور عزیز القدر

ایک مہینے سے زیادہ ہوا ہو گا۔ میں نے ایک ہوائی ڈاک کا لفافہ اسی پتے پر لکھ کر بھیجا تھا جو پتہ آپ علیگش صاحب کو لکھ کر دے گئے تھے۔ اُس کا جواب اب تک نہ آنے پر بہت تعجب ہے۔ اُس میں لکھا تھا کہ میرا ایک .. .. بی۔ اے۔ بی ٹی ہے تو گورنمنٹ سروس میں مگر افریقہ آکر یہی پیشہ اختیار کرنا چاہتا ہے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے ایسے کیا طریقے ہو سکتے ہیں جس میں زیادہ سے زیادہ آسانی ہو اور دشواریاں کم سے کم ہوں۔ کوئی کہتا ہے وہاں ملازمت کی درخواست کی جائے۔ منظوری کی صورت میں پاس پورٹ بننا آسان ہوگا۔ کوئی کہتا ہے کہ کوئی بڑی فرم اسے اپنے مطلب اور اپنی ضرورت کا آدمی سمجھ کر مقامی حکومت سے اسے منگوانے کی منظوری حاصل کرے۔ صحیح

بات مجھے معلوم نہیں، اِس لئے آپ کی رائے بھی دریافت کی تھی اور یہ بھی پوچھا تھا کہ آپ اس کے رستے میں کیا کیا آسانیاں پیدا کر سکتے ہیں۔ عزیز مذکور سوشل سٹڈی گریجویٹوں کی جماعت سے تعلّق رکھتا ہے۔

افریقہ جا کر صحت و عافیت کا خط بھی آپ نے نہیں لکھا۔ ایک پوسٹ کارڈ دیر ہوئی مکنڈپور بھی لکھا تھا۔ وہ بھی جواب سے محروم رہا۔ میں نے خیال کیا کہ آپ چلے گئے ہوں گے۔ اس کے جواب کا دو ہفتے انتظار کر کے نیروبی وہ خط لکھا تھا، جس کا کہیں اوپر ذکر کیا ہے۔

ساوتری دیوی اور بچّوں کو دُعائے درازیِ عمر۔

نیا مجموعہ "فردوسِ گوش" کے نام سے شائع ہو گیا ہے۔ کتنی جلدیں آپ طلب کر سکتے ہیں۔

زیادہ دُعائیں۔

جوشؔ ملسیانی

۴۴

نکودر۔ ضلع جالندھر

۲۷ر جنوری ۱۹۶۹ء

عزیز القدر رضا خدا تمھیں سلامت رکھے۔

شکر ہے کہ تم نے آخر خط لکھنے کی زحمت گوارا کر ہی لی۔ کفر ٹُوٹا خدا خدا کر کے۔ یہ طلسم غالباً ...... صاحب کی باتیں سُن کر توڑا ہو گا۔ خیر دیر آید، درست آید۔

عزیزی اب بی۔ اے۔ بی ٹی نہیں۔ ایم۔ اے۔ بی ٹی ہو گئے ہیں۔ سرگرم جدوجہد کی وجہ سے ٹیچروں کی تنخواہیں کافی بڑھ گئی ہیں۔

اب انھیں چار سو کے قریب تنخواہ ملتی ہے۔ ان کی اہلیہ...... بھی پربھاکر ہے۔ بی ٹی ہے۔ رہنے والے...... کے ہیں۔ اسے بھی...... کے سرکاری گرل ہائی اسکول میں ملازمت ملی ہوئی ہے۔ تنخواہ اب تین سو کے قریب ہے۔ کچھ توان وجوہ سے اور کچھ ایسٹ افریقہ کی مقامی مشکلات کے زیر اثر اب ان کا ارادہ غیر ملکی سفر کے لئے بے سود ہے۔ میں بھی انھیں یہی رائے دوں گا۔

والدۂ عرش تمہارے عقیدت مندانہ الفاظ سے خوش وقت ہوئی ہیں کہا ہے کہ تمہاری سعادت مندی سے میں تم کو ملکھ پور مجسّم سمجھتی ہوں یعنی میرے بھائی بھتیجے ہو۔

اب ۸۵ واں سال ختم ہوگیا ہے۔ ایک انگریزی نجوم کے ماہر نے بتایا ہے کہ ۱۹۷۵ء آخری حد ہے۔ خیر دیکھا چاہیے۔ صحت ابھی اوسط درجے کی ہے مگر بصارت آنکھوں میں پانی اُترتے رہنے کی وجہ سے کافی کم ہوگئی ہے خاص کر نزدیک کی نظر تو نصف رہ گئی ہوگی۔ ڈاکٹر عینک کا نمبر نہیں دیتے۔ کہتے ہیں کہ نمبر چار پانچ ماہ میں غلط اور بے کار ہو جائے گا۔ بڑی مشکل سے اتنا نمبر جو بالکل صحیح اور مکمل نہیں ہے دے دیا ہے کہ اس کی مدد سے اخبار پڑھ لیتا ہوں۔

تین سال سے شعر گوئی بھولا ہوا افسانہ ہو رہی ہے۔ اس مدت میں بمشکل سے چھ سات غزلیں اور دو تین نظمیں کہی ہوں گی۔ طبیعت اب اتنی منجمد ہے کہ فکرِ سخن کا ارادہ کرنے کے باوجود بھی مائل نہیں ہوتی۔

استفسارات ادبی:

(۱) "میری پلکوں سے نم اُٹھے۔"

نم اُٹھنا دُرست نہیں۔ نم پیدا ہو۔ یہ صورت دُرست ہوگی۔

(۲)۔ سیم وزر سے تولے گئے بھی زبان کے خلاف ہے۔ سیم وزر میں تولے گئے صحیح ہے۔ مثلاً امیر خسروؔ کو ہاتھی سمیت چاندی میں تولا گیا۔ شاہ جہاں نے کلیمؔ کو سونے چاندی میں تولا[1]۔

اشعار بعد اصلاح واپس ہیں۔ مشقِ سخن اب کافی اچھی نظر آتی ہے۔ خاص کر بندش کی پختگی۔ عزیزی عرشؔ ستمبر ۱۹۶۷ء میں ریٹائر ہو گئے تھے۔ ایک سال تو مل گیا تھا۔ دوسرا مل سکتا تھا۔ مگر درخواست نہیں کی۔ کہنے لگے کہ میں ملازمت سے تنگ آگیا ہوں۔ پنشن .. .. .. بے بی۔ موڈل ٹاؤن $\frac{4}{11}$ F دہلی ۹ میں سہ منزلہ مکان بنالیا تھا۔ مکان پر میرا قطعۂ تاریخ ثبت ہے۔

تعمیر دل پذیر ہے یہ دل رُبا ہے یہ

اوپر کی منزلیں کرائے پر دی ہوئی ہیں۔ نیچے خود رہتے ہیں۔ کرایہ ......

---

[1] چونکہ پورا شعر استاذی قبلہ کے پیشِ نظر نہیں تھا اس لئے آپ نے یہ رائے دی جو اپنی جگہ درست ہے ورنہ ذیل کے مقامات پر سے ہی آئے گا ؎

میزانِ عدل آئی اب ایسوں کے ہاتھ میں کانٹوں سے تولتے ہیں جو پھولوں کے ہار کو (یگانہؔ)

وقارِ حضرتِ موسیٰ کو کوہِ طور سے تو لو جمالِ نورِ احمدؐ کو خدا کے نور سے تو لو (کامل دہلوی)

ہوئے آب دیدہ وہ شرحِ وفا سے تُلا موتیوں سے فسانا ہمارا (زار کیور تھلوی شاگرد حضرت جوشؔ ملسیانی)

آتشؔ کا یہ شعر بھی اسی قبیل سے ہے ؎

جب رُلاتا ہے تصوّر ترے دانتوں کا مجھے

تولتا ہوں اشک کے قطروں کو میں گوہر کے ساتھ

کے قریب ہے۔ اب ان کا مشغلہ تاش اور شطرنج ہے۔ ان کی اہلیہ اسی آبادی کے سرکاری گرل اسکول میں ملازم ہے۔ تنخواہ ..... کے قریب ہے۔ ایک نواسہ اور اس کی اہلیہ بھی انھیں کے ساتھ رہتے ہیں۔ نواسہ بھی سرکاری ملازم ہے۔ تنخواہ .... سو کے قریب۔

زیادہ دُعائیں۔ دسب کے لیے)

نوٹ :۔ ترمیم درج کرنے کے لئے سطروں کا فاصلہ بہت تنگ ہے۔

جوشؔ ملسیانی

میرے اشعار

بُرا کہہ دیا یا بھلا کہہ دیا
بس اب ہم نے جو کہہ دیا کہہ دیا
یہ میری ہی جرأت تھی اے ہم نشیں
جو کہنا تھا وہ برملا کہہ دیا
تجھے اب خطاوار کیوں کر کہوں
ترا تیر جب بے خطا کہہ دیا
بڑی چیز ہے جوشؔ یہ زندگی
جسے آپ نے اک سزا کہہ دیا

رباعی :۔
جو کچھ بھی کہوں وہ نہیں ہوتا منظور
معلوم نہیں خدا کو ہے کیا منظور
تنگ آ کے دُعائے مرگ مانگی لیکن
اُس پر بھی یہ حکم سُن لیا نامنظور

قطعہ :-

کسی کا نوحہ سُنایا تو دوستوں نے کہا
وطن کے حالِ زبوں کا بھی ماجرا کہئے
مرے ہوؤں کا اگر مرثیہ کہا بھی تو کیا
زمانہ وہ ہے کہ زندوں کا مرثیہ کہئے

لعل و گہر ہیں دردِ سر لعل و گہر کو کیا کروں
مے تو نہیں ہے بوند بھر ساغرِ زر کو کیا کروں
وعظ تو میں نے سُن لیا اب یہ مجھے بتائیے
آئیں اگر وہ سامنے ذوقِ نظر کو کیا کروں
طولِ شبِ فراق تو ختم قضا نے کر دیا
بادِ سحر کو کیا کروں، نورِ سحر کو کیا کروں
عہدِ وفا کے ساتھ جب اُن کی اگر مگر بھی ہو
ایسی اگر کو کیا کروں ایسی مگر کو کیا کروں

نام ہمارا ابھی شامل ہے اُن آفت کے ماروں میں
جن کی تمناؤں کے سفینے ڈوب گئے منجدھاروں میں
دورِ خزاں گو دورِ خزاں تھا لیکن ہم محفوظ تو تھے
موسمِ گل کے آنے پر ہی لوٹ مچی گلزاروں میں
پھول اگر اے فصلِ بہاری کھلتے ہیں تو کھلنے دے
لیکن یہ تاکید ہے تجھ کو گل نہ کھلیں گلزاروں میں

مرتے دم تک جان نہ چھوٹی حرص و ہوس کے پھندوں سے
کتنی یہ مجبوری دیکھی دنیا کے مختاروں میں

جوشؔ ملسیانی

۴۵

نکودر ضلع جالندھر۔ مشرقی پنجاب
۱۱ر فروری ۱۹۶۹ء

اخلاص پرور عزیز القدر

محبت نامہ پہنچا۔ تعجب ہے کہ مرسلہ اشعار واپس نہ پہنچے دیکھے تو تھے۔ شاید اس وجہ سے یہاں رہ گئے ہوں کہ آپ نے بالکل الگ کاغذ پر نہیں لکھے تھے ان کے ساتھ اسی کاغذ پر اور باتیں بھی لکھ رکھی تھیں۔ اس لئے یہیں رہ گئے ہوں گے۔ مگر اب نہیں مل سکتے۔ آپ دوبارہ بھیج سکتے ہیں۔ الگ کاغذ ہی پر لکھیں۔ وہ کاغذ اب نہ ملنے کی وجہ یہ ہے کہ میں ہر ایک خط کا جواب لکھ کر اصل خط کو حسب عادت چاک کر دیا کرتا ہوں۔ ایسا نہ کروں تو خطوط انبار در انبار جمع ہو جائیں۔ وہی خط سنبھال کر رکھتا ہوں۔ جو کسی وقت کام آنے والا ہو۔ کام ہو چکنے پر اسے بھی ختم کر دیتا ہوں ادبی خطوط بھی نہیں سنبھالتا۔ اس وقت حضرت نوح ناروی کا صرف وہ مکتوب محفوظ ہے۔ جس میں الحفوظ ابو الفصاحت کی سند اپنی مہر لگا کر اپنی طرف سے ارسال کی تھی۔

۱۷ر کو دہلی جا رہا ہوں۔ یکم مارچ تک واپس آؤں گا۔ وہاں صد سالہ جشن غالبؔ کی تقریب پر ایک بڑا مشاعرہ ہے۔ جو لال قلعہ کے دیوانِ عام میں رات کو منعقد ہوگا۔ اس مشاعرے کے لئے شرط یا پابندی یہ ہے کہ غالبؔ ہی کی شان میں نظم یا قطعات یا رباعیات پڑھی جائیں۔ غزل

بھی غالب ہی کی کسی زمین میں کہی گئی ہو اور ہر ایک چیز غیر مطبوعہ ہو۔

بیاں کیوں ہو، زباں کیوں ہو۔ اس مشہور زمین میں میرا ایک مخمّس ہے۔
غیر مطبوعہ ہے۔ طوالت کے خیال سے چھ سات شعر ہی مخمّس کئے ہیں۔ مطلع اور مقطع
ان میں شامل ہے۔ پہلا بند یہ ہے۔

محبّت کے خریداروں کو غم بارِ گراں کیوں ہو
مصیبت مول جب لی ہے تو لب فریاد خواں کیوں ہو
رضامندی کے عالم میں جبیں کیوں ہو چناں کیوں ہو
"کسی کو دے کے دل کوئی نوا سنجِ فغاں کیوں ہو
نہ ہو جب دل ہی پہلو میں تو پھر منہ میں زباں کیوں ہو

دوسرا بند یہ ہے :-

وفا کا جب صلہ یہ ہو کہ وہ سو سو ستم توڑیں
تو پھر ایسوں کے سنگِ در یہ کیوں ہے کار سر پھوڑیں
یہ کیا شرطِ محبّت ہے کہ خودداری سے منہ موڑیں
"وہ اپنی خو نہ چھوڑیں گے ہم اپنی وضع کیوں چھوڑیں
سبک سر بن کے کیوں پوچھیں کہ ہم سے سرگراں کیوں ہو"

والدۂ عرش کی طرف سے دُعائے خیر۔ زیادہ اظہارِ محبّت۔
جوش ملسیانی

دو تازہ شعر :-

یہ رخنہ آپ کے انصاف میں اکثر نکلتا ہے
خطا اوروں کی ہو غصّہ مگر مجھ پر نکلتا ہے

عدم میں جا رہیں گے خانۂ ہستی سے ہم اُٹھ کر
ابھی کیوں مات کہتے ہو ابھی تو گھر نکلتا ہے

۴۶

نکودر۔ ضلع جالندھر۔ مشرقی پنجاب
۷ر اپریل ۱۹۶۹ء

اخلاص پرور عزیز القدر

بمبئی سے "شعلۂ خاموش"[1] کا پارسل پہنچ گیا تھا۔ تین ہفتے بہت عدیم الفرصت رہا ہوں اس لئے رسید بھیجنے میں تاخیر ہوئی۔

کتاب کا حسن حدِ توصیف سے بالاتر ہے۔ اس کی خوب صورتی اور دل کشی کے لئے جو کوشش کی گئی ہے وہ تکلف کی حد تک پہنچتی ہے۔ جسٹس جاگن سنگھ کا تبصرہ بھی مجھے پسند آیا۔ بلاشبہ قابلِ قدر ادبی دستاویز ہے۔ حسنِ باطن بھی قابلِ ستائش ہے۔ پاکیزگیِ خیالات و مضامین مستغنی عن التوصیف ہے۔ ہر ایک نظم یا غزل افادی حیثیت کی ہے۔ زبان اور فن سے واقفیت ظاہر ہے۔ مگر صفحہ ۱۰۰ پر "بڑا[2] خونیں ہے یہ منظر" بڑا کی تخفیف بارِ گوش ہے۔ اگرچہ ہندی الفاظ میں حروفِ علت کی تخفیف روا ہے۔ مگر پھر بھی متعدد الفاظ ایسے ہیں جن میں تخفیف قابلِ حرف گیری ہو جاتی ہے۔ میری تالیف آئینۂ اصلاح میں بھی اس کی وضاحت

---

[1] میرا پہلا مجموعۂ کلام

[2] یہ آدھا مصرع ہے۔ بڑا کی تخفیف پورے مصرع کے بغیر خیال میں نہیں آسکتی اور وہ یہ ہے:
"اے کلک رضا تھم بڑا خونیں ہے یہ منظر

موجود ہے۔ ابھی یہ کتاب میں نے طائرانہ نظر سے دیکھی ہے۔ اس لئے تفصیل سے لکھنے کے ناقابل ہوں۔ اس کے باوجود کہوں گا کہ یہ قابلِ داد بھی ہے اور قابلِ رشک بھی اس کی اشاعت مبارک باد کی مستحق ہے۔ خدا حسنِ قبول روزی کرے۔

نزدیک کی بصارت کافی کم ہوگئی ہے۔ اس لئے یہ خط آنکھوں کا تیل ٹپکا کر لکھ رہا ہوں۔ ڈاکٹر عینک کا نمبر نہیں دیتے۔ کہتے ہیں کہ پانی اُتر رہا ہے۔ نمبر چند مہینوں میں غلط ہو جائے گا۔ مگر تماشا یہ ہے کہ اس قسم کے جوابات ۱۲۔ ۱۳ سال سے سُن رہا ہوں۔ پانی کی ردیف میں جو غزل کہی ہوئی ہے وہ اِن جوابات کے ساتھ یاد آجاتی ہے۔ اگر تیسرا مجموعہ فردوسِ گوش موجود ہو تو اس میں یہ غزل پڑھ سکتے ہیں۔ اس میں ایک مصرع یہ بھی ہے ؎

چرخِ کم بخت کی آنکھوں میں نہ اُترا پانی

تازہ کلام اب بہت قلیل ہے۔ فردوسِ گوش کی اشاعت کے بعد گھوڑے بیچ کر سو گیا ہوں۔ ۸۶ واں سال چل رہا ہے۔ انگریزی جیوتش کے ایک ماہر نے ۷۵ء کو آخری حد بتایا ہے۔ دیکھا چاہیئے۔ کچھ اور شعر تفنّنِ طبع کے طور پر لکھے دیتا ہوں ؎

یہ شیخ و برہمن بھی تری راہ میں یارب
پتھّر ہیں کچھ ایسے کہ ہٹائے نہیں جاتے

ساغر کو تو دُنیا کی نگاہوں سے چھپالوں
دامن کے جو دھبّے ہیں چھپائے نہیں جاتے

اس کو کسی تدبیر سے مل پا نہیں سکتا
بے پردہ بھی جو تجھ کو نظر آ نہیں سکتا

اسرارِ حقیقت کوئی سمجھے بھی تو کیوں کر
جو ان کو سمجھتا ہے وہ سمجھا نہیں سکتا

اتنے چرکے دیئے احساسِ ندامت نے انھیں
قتل کے بعد سمجھتے ہیں وہ قاتل مجھ کو

کل کی ہے بات کہ خود دل کو میں سمجھاتا تھا
آج یہ کیا ہے کہ سمجھانے لگا دل مجھ کو

زیادہ دعائیں۔ (سب کے لئے)

جوش ملسیانی

۴۷

نکودر
۲۸ اگست ۱۹۷۱ء

اخلاص پرور عزیز القدر

غالباً یہ مادرِ وطن کی آب و ہوا کا اثر ہے کہ آج مجھے خط لکھنے کی زحمت گوارا کی۔ بہرکیف اس یادآوری کا سپاس گزار ہوں۔
کمال صاحب اب کپورتھلہ سے بھی چلے گئے ہیں۔ ان کی بہو سلطان پور

لودھی کے سرکاری اسکول میں انگلش ماسٹر تھی۔ وہاں سے جب ہیڈ مسٹرس بن کر تبدیل ہوئی اور دینا صاحبہ تحصیل موگا ضلع فیروزپور کے ہائی اسکول میں بھیج دی گئی تو بچوں کو سنبھالنے کے لئے انھیں بھی جانا پڑا۔ اب وہیں ہیں۔ ان کی صحت کچھ ڈانواں ڈول ہی رہتی ہے۔ خط معرفت ہیڈ مسٹرس گورنمنٹ ہائی اسکول بھیجنا پڑتا ہے۔ ٹانگوں کی تکلیف کے سبب جب سے وہاں گئے ہیں ادھر نہیں آئے۔

..... پچھلے سال انتقال کر گئے۔ دونوں لڑکیوں کی شادی کر دی تھی۔ ایک بیوہ اور دو لڑکے بے سہارا چھوڑ گئے۔ لڑکے پڑھتے ہیں۔ اسی مکان میں ابھی رہتے ہیں جو میرے پڑوس میں ہے۔ ان کی نانی کچھ معاشی امداد کر رہی ہے مگر ناکافی ہے۔ بچوں کا ایک ماموں کینیڈا میں ہے وہ ایک لڑکے کو بلائے تو تنگ حالی کا ازالہ ہو سکے گا۔ بڑا لڑکا فرسٹ ایر میں داخل ہے۔ نکودر میں دو کالج کھل گئے ہیں۔ آریہ کالج اور گرو نانک کالج۔ آدھی فیس معاف ہو گئی ہے مگر یہ رعایت اس گرانی میں برائے نام ہے۔

خطاب ملنے پر مبارک باد بھیجنے کا مزید شکریہ۔ اس سلسلے میں ۴۔ ۵ اکتوبر کو راشٹرپتی بھون بلایا گیا ہوں۔ تمام نئے خطاب یافتہ اصحاب کو مختلف قسم کے انعامات یا میڈل اکتوبر ہی میں راشٹرپتی کے ہاتھ سے دیئے جاتے ہیں۔

صحت اوسط درجے کی ہے مگر نزدیک کی بصارت کافی کمزور ہو گئی ہے۔ ڈاکٹر عینک کا نمبر نہیں دیتے۔ کہتے ہیں کہ پانی اُتر رہا ہے دو چار مہینے میں نمبر غلط ہو جائے گا۔ ۱۶ سال سے یہی کہہ رہے ہیں

اصلیت یہ ہے کہ یہ ضعفِ بصارت عمر کی طوالت کا نتیجہ ہے۔ ہر قسم کی ادبی نوشت وخواند ترک کر دینے پر مجبور ہو گیا ہوں۔ یہ خط بھی آنکھوں پر جبر کر کے لکھ رہا ہوں۔

اصلاح کا کام قطعی چھوڑ دیا ہے۔ شعر گوئی بھی برائے نام ہے ۱۹۶۱ء سے یعنی تیسرا مجموعہ "فردوسِ گوش" شائع کرنے کے دس سال میں مشکل سے تیس چالیس غزلیں، تین چار نظمیں اور دس بارہ رباعیاں لکھی ہیں۔ سب سے بڑی دقت اخبار پڑھنے کی ہے۔ موٹی موٹی سرخیاں ہی آسانی سے دیکھ سکتا ہوں۔ برائے نام ایک عینک ایک آئی ڈاکٹر نے تجویز کی تھی اب وہ بھی بے کار ہو گئی ہے۔

ٹھیک کہتے ہو رباعی میں "سبب پئے سبب اور وتد پئے وتد" کا اصول دوسرے اور تیسرے رکن ہی تک محدود ہوتا ہے۔ پہلا رکن ہے مفعول، اس میں ایک سبب اور ایک وتد آیا ہے۔ آخری رکن فع ہوتا ہے جب اُس کے ساتھ نہ سبب ہوتا ہے نہ وتد تو وہاں یہ اصول کس طرح چل سکتا ہے۔

فع۔ فاع۔ مفع۔ مفاع آخر میں بالمقابل روا ہوتے ہیں۔ مفاع کو فعول اور مفع کو فعل کہہ سکتے ہیں مگر اصل وہی ہیں جو ابھی مذکور ہوئے۔

مفعولُ مفاعلُن مفاعیلن فع۔ فاع بھی آجاتا ہے۔

مفعولُ مفاعیلُ مفاعیلُ مفع۔ مفاع بھی آجاتا ہے۔

مصرع کے آخر میں فاعلن کی جگہ فاعلان اس صورت میں ہوا کرتا ہے جب مصرع نون غنہ پر ختم ہو۔ آخری نون غنہ تقطیع میں شمار ہوا کرتا ہے اسی طرح مفاعیلان، مستفعلان۔ فعولان وغیرہ .. ..

آج ایک شعر کہا ہے ؎

کہے دیتی ہے سب سے کوزہ پشتی پیر مردوں کی
غلط ہے جھوٹ ہے باطل ہے دعویٰ سربلندی کا

دو رباعیاں :-

تحفہ تو خلا باز نیا لائے ہیں
لیکن یہ سنو ہم سے کہ کیا لائے ہیں
چاندی سونا کہیں بھی جب مل نہ سکا
مٹی ہی وہ چاند کی اُٹھا لائے ہیں

جن لوگوں نے پرواز سے کی چاند کی سیر
کیوں کہتے ہیں وہ خوب رہی چاند کی سیر
جب سبزہ و گل کا کوئی منظر ہی نہ تھا
صحرا کی وہ سیر تھی کہ تھی چاند کی سیر

ایک مزاحیہ رباعی :-

تقریر جو شیخ جی نے فرمائی ہے
ہر بادہ پرست کو پسند آئی ہے
تھی ایسی دھواں دھار کہ ہم یہ سمجھے
مے خانے پہ گھنگھور گھٹا چھائی ہے

چونکہ سیاسی حالات کینیا کالونی میں اچھے نہیں رہے۔ خاص کر غیر ملکیوں

۱؎ یہ خط لکھتے وقت یعنی ۱۹۷۱ء میں کینیا کو آزادی ملے تقریباً دس سال ہو چکے تھے۔ اس وقت ملک انگریزوں کی کالونی نہیں رہا تھا۔

کے لئے۔ اس لئے ادھر ہی کوئی معاشی انتظام کرنا بہتر ہوگا۔
سب کے لئے دعائے خیر۔

جوش ملسیانی

نوٹ :۔ اتنا لکھنے پر آنکھیں نم آلود ہو گئی ہیں۔

۴۸

نکودر۔ ضلع جالندھر
۱۱ر مئی ۱۹۷۲ء

اخلاص پرور عزیز القدر

محبت نامے کا شکریہ۔ سرکاری انعام ملنے پر بہت خوش وقت ہوا ہوں۔ مبارکباد قبول کریں۔ ۱۹۷۱ء میں مجھے پدم شری کے ایوارڈ سے مرکزی حکومت نے نوازا تھا۔ شاید یہ سن لیا ہوگا۔ راشٹرپتی کی طرف سے ایک سرٹیفکٹ اور دو میڈل بھی اسی سلسلے میں ملے تھے۔

ضعف پیری آہستہ آہستہ قدم جما رہا ہے۔ پہلا حملہ بصارت پر تھا۔ اس کا یہ حال ہے کہ دو ڈیڑھ صفحہ لکھنے یا پڑھنے سے آنکھیں نم آلود ہو جاتی ہیں۔ دور کی بصارت ہے تو کم زور مگر چلنے پھرنے میں کوئی رکاوٹ پیدا نہیں کرتی۔ اصلاح کا کام قطعی چھوڑ دیا ہے۔ رسمی خطوط ہی تحریری کام میں باقی رہ گئے ہیں۔

کمالؔ صاحب کی وفات پر بہت قلق ہوا۔ نسیمؔ۔ سرشارؔ سیلانی۔ اور کمالؔ پر مجھے بہت ناز تھا۔

.... صاحب کے لیے سرکاری مدد حاصل کرنے کے لیے میں نے سال بھر کوشش کی۔ مگر پنجابی کا شاعر ہونے کی حیثیت سے صرف ۵۰۰ روپے سالانہ منظور ہوئے۔ اس سے کیا ہوگا۔ بچوں کی نانی بیٹوں سے آنکھ بچا کر امداد کر رہی ہے۔ ان کے بڑے ماموں کینیڈا میں ہیں۔ دو سال ہوئے ایک ہزار بھیجا تھا۔ پھر مکمل خاموشی۔

ایک لڑکے نے پری کلاس کا امتحان دیا ہے۔ دوسرے نے فرسٹ ایر کا۔ فیس کا خرچ بیس بائیس روپے فی طالب علم ہے۔ بڑا لڑکا بہت شریف اور اچھا پڑھنے والا ہے۔ تین چار انعام بھی لے چکا ہے۔ پنجابی شاعر کا لڑکا ہونے کے ناتے گرونانک نیشنل کالج نکودر میں نصف فیس معاف ہوئی۔ اب تعطیلیں ہیں۔ پاس ہو جانے پر اگلی کلاس (سیکنڈ ایر) میں معلوم نہیں یہ معافی بحال رہے یا نہ رہے۔

مختصر یہ کہ کم سے کم چالیس بیالیس روپے فیس کے ہوتے ہیں۔ اگر آپ اس کے لئے دستِ کرم پھیلانا چاہیں تو زہے سعادت مندی۔

ابھی تک اسی مکان میں رہتے ہیں۔ کرایہ نصف مکان کا ۲۵ دیتے ہیں۔ یہ کرایہ آج کل کی گرانی کے مقابلے میں بہت رعائتی ہے۔ کرائے اور زمین و مکان کی قیمتیں آسمان کو چھو رہی ہیں۔ مالکان کی دریا دلی اور ہمدردی ہے کہ اب تک وہ اسی کرائے پر رہتے ہیں۔

عروض کے متعلق پوچھا ہے۔ اس کا جواب طوالت طلب ہے۔ بصارت اس کی متحمل نہیں۔ پھر سہی۔

لوگوں نے بحر متدارک اور بحر متقارب میں امتیاز روا نہیں رکھا۔ جب مصرع میں روانی نہ رہے۔ تو موسیقیت کہاں رہے گی۔ ایسے اشعار اور ایسی

بحر کی قیمت دو کوڑی بھی نہیں ہے۔

اساتذہ قدیم نے وہی زحاف قابلِ استعمال رکھے ہیں جو روانیِ کلام کے منافی نہ ہوں۔ ان کی پروانہ کرنا اور من مانیوں سے کام لینا روانی اور موسیقیت کا خون کرنا ہے۔

ہوئی ہے آج تو شاداب سر زمینِ چمن

سر زمینِ گلستاں یہ تبدیلی عروض کے لحاظ سے

درست سہی مگر موسیقیت سر پیٹتی نظر آتی ہے۔ بس اب زیادہ نہیں لکھ سکتا۔

ایک تازہ شعر لکھ دیتا ہوں۔

بھولے سے یاد آتا ہو گا نام خدا کا لوگوں کو

اُن کو دیکھ کے ساری دنیا کافر ہوتی جاتی ہے

ڈاکٹر ۱۶ سال سے کہہ رہے ہیں کہ پانی اُترتا ہے۔ خدا جانے وہ کہاں بیٹھ رہا۔ عینک کا نمبر نہیں دیتے۔ کہتے ہیں کہ تین چار ماہ میں غلط ہو جائے گا۔

زیادہ دُعائیں

جوش ملسیانی

۴۹

نکودر ضلع جالندھر مشرقی پنجاب

۲۷ر جولائی ۶۷ء

عزیز القدر

دیر آید درست آید کے مصداق ..... صاحب کی بیوی اور بچوں کے لئے

ملہ اس خط سے پہلی بار محسوس ہوا کہ استاذی قبلہ واقعی ضعیف ہو گئے ہیں۔ لفظوں کی بناوٹ اور خوش خطی میں فرق آ گیا ہے۔

آپ کا زرِ امداد...... روپیہ پہنچا۔ وہ بہت ممنون ہوئے اور خوش وقت بھی۔ اُن کی طرف سے شکر گذاری کا خط لکھ رہا ہوں۔ غالب کا یہ شعر اس محل پر یاد آتا ہے ؎

مروّت کردہ شب ہا بر تو سیر بام و در لازم
نمے باشد چراغ خانۂ بے دستگاہاں را

ایک لڑکا یہاں آریہ کالج میں سیکنڈ ایر کا طالب علم ہے۔ دوسرا اسی کالج میں فرسٹ ایر کا۔ میری کوشش سے بڑے لڑکے کی سالم فیس معاف ہے۔ وہ اچھّا محنتی، اچھّا شریف اور ذہین ہے۔ دوسرا تو تھرڈ کلاس ہی میں پاس ہوا ہے۔

زیادہ دُعائیں (سب کے لئے)

جوشؔ ملسیانی

۵۰

نکودر
۱۹ر ستمبر ۱۹۷۲ء

اخلاص پرور عزیز القدر

یاد آوری کا شکریہ۔

جواب[۱] (۱) میاں عام بول چال میں مستعمل ہے۔ مثلاً میاں ہوش کی باتیں کرو۔
(۲) ناخواندہ آدمی کسی بھی پیر مرد کو میاں کہہ لیتے ہیں مثلاً بڑے میاں کیا کرتے ہو۔ بڑے میاں ادھر نہیں اُدھر کے رستے جانا چاہیے۔

---

[۱] میں نے میاں اور مرزا کی تحقیق کے خیال سے کچھ سوال کئے تھے۔

(۳) میاں مکتب کے مُلّا کو بھی کہتے ہیں۔ یہ بچّوں کی زبان میں شامل ہے۔

(۴) برابر اور چھوٹوں کے لئے اِس لفظ سے مخاطبہ کرتے ہیں۔ میر تقی میرؔ کا مصرع۔

میاں خوش رہو ہم دُعا کر چلے[1]

(۵) میاں شوہر کے معنی میں بھی آتا ہے مثلاً بچّوں سے یہ کہنا کہ تمہارے میاں سے کہوں گی یا کوئی بچّہ کہے کہ میاں آج کہاں گئے ہیں۔ مگر یہ مسلمانوں ہی کی زبان میں شامل ہے۔

(۶) کسی ہندو شاعر کے نام کے ساتھ محاورے میں بول سکتے ہیں۔

(۷) مرزا اصل میں امیر زادہ کا مخفّف ہے۔ منشی ہرگوپال تفتہ کو مرزا غالبؔ مرزا تفتہ لکھتے تھے۔ عام طور پر مرزا مغلوں کے لیے کثیر الاستعمال ہے۔ مرزا کی جگہ میرزا بھی بولتے ہیں۔

(۸) پنجاب میں ہندو راجپوتوں کے نام میں بھی شامل ہے۔ مثلاً میاں جمیعت سنگھ۔

زیادہ دُعائیں۔

جوشؔ ملسیانی

ایک رباعی سُن لو:۔

دن کے لئے بخشی ہمیں سورج کی ضیا
راتوں کے لئے چاند کیا ہم کو عطا
دُنیا کا اندھیرا تو مٹایا یا رب
دُنیا میں جو اندھیر ہے اُس کو بھی مٹا

---

[1] "فقیرانہ آئے صدا کر چلے" میاں خوش رہو ہم دعا کر چلے"، یہ شعر میر ہی کے نام سے مشہور ہے۔ فرہنگ آصفیہ اور نور اللغات میں بھی میر ہی کے نام سے چھپا ہے۔ ~~حقیقت میں~~ جگر کے بیاں ابن میر درد یہ غزل بالاجی ترمبک نائک ذرہ (۱۱۵۰ھ تا ۱۲۰۰ھ) کی ہے۔ دیکھو مرقع سخن جلد دوم ص ۵۴

اپنی ۱۷۰ رباعیات مع دیباچہ شائع کرنے کا اہتمام کر رہا ہوں۔ رسالہ تحریر کا خاص نمبر جوش ملسیانی نمبر شائع ہوگا۔ کتابت ہو رہی ہے۔ نثر کے دو تین ضخیم مضمون قابل دید ہوں گے۔

سب کے لئے دعائے خیر

جوش ملسیانی

۵۱

نکودر

یکم اگست ۶۷ء

اخلاص پرور عزیز القدر

لفافہ پہنچا۔ منی آرڈر کے پہنچنے کی اطلاع اگلے دن ارسال کر دی تھی۔ اس میں بیوہ اور اس کے بچوں کی طرف سے بہت بہت اظہار شکر گزاری بھی تحریر کیا تھا۔ نیز دونوں لڑکوں کے تعلیمی حالات بھی لکھے تھے۔ یہ خط پہنچ گیا ہوگا۔ اس میں غالبؔ کا ایک فارسی شعر بھی لکھا تھا..... بڑے لڑکے کی فیس میری سفارش پر سالم معاف ہو گئی ہے۔ وہ سیکنڈ ائر میں پڑھتا ہے۔ پڑھنے میں بہت اچھا ہے۔ بہت شریف بھی ہے۔ چھوٹا فرسٹ ایئر میں ہے۔ زیادہ محنتی نہیں۔ تھرڈ ڈویژن میں پاس ہوا ہے۔

چکبستؔ کی یاد میں دلّی میں ایک مشاعرہ ہوا تھا۔ صحیح سن تو یاد نہیں ۱۹۴۸ء کے بعد ہی ہوا تھا۔ صدارت بھی یاد نہیں کن کے سپرد تھی۔ سٹیج سکریٹری کنور مہندر سنگھ بیدی تھے۔ اہتمام گلزار دہلوی اور اس کے

۱؎ دیکھئے خط نمبر ۷ مورخہ ۲۴ جولائی ۱۹۵۱ء۔

ادبی رفیقوں نے کیا تھا۔ دل شاہ جہانپوری، نوح ناروی، اَبر احسنی بھی حاضرین میں شامل تھے۔ شیخ عبداللہ اور بخشی غلام محمد بھی کچھ وقت کے لیے آئے تھے۔ شیخ عبداللہ نے شعرائے اردو کو کشمیر کی بہتری پر قلم اٹھانے کی تحریک بھی کی تھی۔

چکبست بہت اچھا کہنے والے تھے۔ کلام میں رنگِ جدید نمایاں تھا بہت سے اشعار ایسے بھی کہے جو بظاہر غزل کے شعر ہیں مگر درحقیقت اس کی معنوی حیثیت سیاسی ہے۔ کلام مجھے کسی کا بھی یاد نہیں۔ شاید گلزار دہلوی سے مل سکے۔ مشاعرہ کی روداد شائع کی ہو گی۔ مجھ سے بھی پڑھا ہوا کلام طلب کیا تھا مگر غالباً میں نے تعمیل نہیں کی تھی[۱]۔

تازہ افکار کیا لکھوں۔ شعر گوئی اب میرے متروکات میں شامل ہے۔ عمر کا ۸۹ واں سال نصف گزر چکا ہے۔ اب تو صرف ذوقِ شعری زندہ ہے۔ ایک رباعی اس بنیاد پر کہی ہے کہ انسان مٹی کا پتلا مانا ہوا ہے ؎

یارب مخلوق تو بنائی تو نے
لیکن غلطی بھی یہ بڑی کی تو نے
نااہل کو انسان کی صورت دے کر
مٹی اُس کی خراب کر دی تو نے

ضعفِ بصارت کے باوجود اتنا کچھ لکھ گیا ہوں۔ ڈاکٹر عینک کا نمبر نہیں دیتے۔ کہتے ہیں کہ تین چار ماہ میں غلط ہو جائے گا۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ پانی اُترتا ہے۔ مگر ۱۶۔۱۷ سال اس بکواس کو سنتے سنتے گزر گئے حیران ہوں کہ وہ پانی کہاں رُکا ہوا ہے۔ دراصل یہ کمزوری طویل

---

[۱] چکبست پر کچھ تحقیقی کام کر رہا ہوں۔ یہ معلومات اسی کے لیے درکار تھی۔

عمری ہی کی وجہ سے ہے۔

زیادہ دُعائیں

جوشؔ ملسیانی

۵۲

نکودر

۱۰ر نومبر ۷۲ء

عزیز القدر

استفسار کا جواب پچھلے صفحہ پر ہی لکھ دیا ہے۔[1]

صحت ڈانواں ڈول سی رہتی ہے۔ اس سال سخت اور شدید ترین گرمی میں خون کا دباؤ ۱۴ درجے کم ہو گیا تھا۔ اب تو بالکل پورا ہو گیا ہے مگر کم بخت اپنی یادگار ٹانگوں کی کمزوری کی شکل میں چھوڑ گیا ہے۔ ٹانک چیزیں کھائے جاتا ہوں۔ ضعف بصارت بدستور۔

رباعیات:-

دنیا کا جمال بھی طلسماتی ہے
ہر ایک نگہ نثار ہوئی جاتی ہے
شاعر اسے پیر زال کیوں کہتے ہیں
ہم کو تو یہ نوجواں نظر آتی ہے

—

دنیا میں جہاں بھی خانہ جنگی ہو گی
در پردہ وہ سازش فرنگی ہو گی
جانچو گے اگر غور سے فطرت ان کی
ان کے ہر رنگ میں دو رنگی ہو گی

---

[1] یہ صفحہ اب محفوظ نہیں رہا اس لئے استفسار کی نوعیت معلوم نہیں ہو سکی۔

اے زندۂ جاوید شہیدانِ وطن
اے آنِ وطن، جانِ وطن، شانِ وطن
وہ دھوم فلک نے بھی نہ دیکھی ہوگی
جس دھوم سے تم ہوئے ہو قربانِ وطن

دلّی کے رسالۂ تحریر (سہ ماہی) کا خاص نمبر میرے نام سے منسوب ہو کر دسمبر میں شائع ہوگا۔ انور صاحب کا نہایت فاضلانہ اور قابلِ دید مضمون بھی بطور دیباچہ شامل ہوگا۔ ضخامت غالباً ۴۰۰ صفحہ کی ہوگی۔

اپنی ۱۸۴ رباعیات جن کا طویل دیباچہ بھی پبلشرز کے حسب فرمائش میں نے ہی لکھا ہے۔ اشاعت کے لئے دہلی بھیج دی ہیں۔ یہ مذکورہ خاص نمبر کے بعد اگلی سہ ماہی میں شائع ہوگی۔ اسی رسالۂ تحریر کے پبلشر انھیں شائع کریں گے۔

سب کے لئے دُعائے خیر

اچھے وقت افریقہ سے نکل آئے ہو۔ دور اندیشی کی داد دیتا ہوں۔

جوش ملسیانی

عرش کا پتا۔ دہلی ۹۔ ماڈل ٹاؤن F 4/11

۵۳

نکودر
۲؍ دسمبر ۷۲ء

عزیز القدر
لفظ مکمر یہاں مضحکہ خیز ہے۔ واقعہ کے متناسب لفظ آنا چاہیے

مہ ڈاکٹر منوہر سہائے انور

تاریخ میں جمع تفریق کا میں مخالف ہوں۔ یہ عجزِ طبیعت ہے۔ ہنرمندی اس کے لئے ضروری ہے۔ مثلاً ایک دشمن کے لئے جو دربار سے نکالا گیا مومن دکیا خوب کہتے ہیں) ؎

از باغِ خلد بیروں شیطان بے حیا شد

باغِ خلد کے اعداد سے شیطان بے حیا کے اعداد تفریق کئے ہیں۔

سہ ماہی رسالہ تحریر بڑی ضخامت میں میرے نام سے منسوب ہو کر شائع ہونے والا ہے۔ اس کے بعد میری ۸۶ (رباعیاں) مع ایک ضخیم دیباچہ کے جو میں نے ہی لکھا ہے شائع ہوں گی۔ فقط

میں خیریت سے ہوں۔ سب کے لئے دعائے خیر۔

جوش ملسیانی

۵۴

الف ۱۱/۴ ماڈل ٹاؤن۔ دہلی ۹

۲۸-۴-۷۳

برادرِ عزیز[۱] تسلیم۔

[آپ کا خط ملا۔ آپ کو جو خبر ملی وہ سو فی صدی درست ہے۔ والد صاحب میرے پاس ہیں۔ نکودر میں تو مرض کی تشخیص بھی نہ ہو سکی۔ ٹیکسی میں لٹا کر یہاں تک لایا۔ موصوف نکودر چھوڑنے کے لئے رضامند نہیں تھے۔ لیکن آخر کیا کرتے۔ یہاں جرّاحی علاج ہو رہا ہے کہ کسی نہ کسی سہارے سے تھوڑا

---

[۱] استاذی قبلہ کے کولھے کی ہڈی ٹوٹ جانے کی خبر سُن کر میں نے ایک خط برادر محترم عرش صاحب کو لکھا تھا۔ یہ خط اسی کے جواب میں ہے۔ چونکہ تحریر معلوماتی ہے اس لئے شاملِ مکتوبات کر لی گئی ہے۔ آخر میں استاذی قبلہ کے قلم سے چند سطریں مع دستخط ہیں۔

بہت لنگڑا کے بھی چل سکیں۔ اصل علاج آپریشن ہے۔ اور اس عمر میں کچھ ڈاکٹر دوست بھی مشورہ نہیں دیتے کہ خطرہ مول لیا جائے۔ ویسے یہاں ہر ممکن آسائش دی جا رہی ہے۔ چلنے پھرنے سے معذور ہیں۔ عام صحت فی الحال اچھی ہے۔ آپ کا خط سُن کر بہت خوش ہوئے۔ ممکن ہے وہ خود بھی آپ کو لکھیں۔ اُٹھ کر بیٹھ جاتے ہیں۔ کرسی پر منتقل بھی ہو جاتے ہیں لیکن چل نہیں سکتے۔ کھڑے ہونے کی تھوڑی بہت مشق جاری ہے۔

'تحریر' جو مالک رام کی ادارت میں نکلتا ہے اُس کا ایک خاص نمبر والد صاحب کے متعلق نکلا ہے۔ سو جلدیں کتابی صورت میں چھپوا کر اُن سے لے لی تھیں۔ بیشتر نکل بھی گئی ہیں۔ موصوف کی رباعیوں کا ایک مجموعہ زیرِ طبع ہے۔

آپ سے بھی درخواست ہے کہ ان کی صحت کے لئے دُعا کیجئے۔ مجھے ابھی یہ علم ہوا کہ آپ بمبئی میں منتقل ہو چکے ہیں۔ میں تو آپ کو نیروبی میں بیٹھا دیکھ رہا تھا۔

[نوٹ:۔ آخر میں تین سطریں والد صاحب کے قلم سے ہیں۔ عرش ملسیانی]

عزیز القدر

اظہارِ ہمدردی کا شکریہ۔ دُعا کریں کہ میں صحت یاب ہونے کا مژدہ سنا سکوں۔ نکو در ہیں .... دیوی اور اُس کے بچے خیریت سے ہیں۔ بڑے لڑکے نے سکنڈ ایئر کا امتحان دیا ہے اور چھوٹے نے فرسٹ ایئر کا۔ بڑا لڑکا پڑھنے میں اچھا ہے۔ آپ سب کو ایشر واد۔

جوش ملسیانی

٥٥

میں اُن کی نظر میں خستہ تن تھا
〃 〃 〃 اک[1] چمن تھا
یہ حسن نظر تھا حسن ظن تھا
〃 〃 〃 〃 〃 〃

٥

تشبیہ[2] دوں میں چاند سے اس رُخ کو کس طرح
دونوں میں جب ہے فرق زمین آسمان کا

جوشؔ ملسیانی

27-12-74

۱؎ میرے اشعار پر استاذی قبلہ کی یہ آخری اصلاح ہے۔ شعر میں نے لکھا تھا مگر اصلاح ان کے قلم سے ہے۔

۲؎ میری درخواست پر استاذی قبلہ نے یہ شعر اپنے قلم سے تحریر فرمایا اور دستخط کر کے تاریخ انگریزی ہندسوں میں ڈال دی۔ اس کے پورے تیرہ مہینے بعد ۲۷ جنوری ۱۹۷۶ء کو انتقال کیا۔

اشاریہ

۱۔ کسی ہندسے کے نیچے لکیر سے یہ مراد ہے کہ اس صفحے پر یہ نام ایک سے زیادہ مرتبہ آیا ہے۔

۲۔ ترتیب بلحاظ حروف تہجی صرف پہلے ہی حرف تک محدود ہے۔

الف

آ

مصنّف کی دیگر تصانیف

○

شعلۂ خاموش (مجموعۂ کلام) قیمت: دس روپے

(حکومتِ ہند نے انعام سے نوازا)

○

شورشِ پنہاں (مجموعۂ کلام) قیمت: آٹھ روپے

(حکومت اُتّر پردیش کی طرف سے انعام مِل چکا ہے)

○

شاخِ گُل (مجموعۂ کلام) قیمت: چھ روپے

[اُتّر پردیش اُردو اکیڈمی اور بہار اسٹیٹ اُردو اکیڈمی کی طرف سے انعام یافتہ]

○

اُجالے (نعتیہ کلام) قیمت: دس روپے

○

انگریزی نظمیں

THE SILENT FLAME (دی سائیلنٹ فلیم) قیمت: دس روپے

○